UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226498

UNIVERSAL
LIBRARY

اَلْعِلْمُ حَیٰوۃُ الْاِسْلَامِ وَعِمَادُ الدِّیْنِ

مجلۂ نظامیہ کا خصوصی شمارہ

مملکت حیدرآباد

میں

علوم دینیہ کی توسیع و ترقی

مرتبہ

شاہ ابوالخیر کنج نشین (نظامیہ) ۔ مدیر

افکارات

۱۔ شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری ۔ ۲۔ مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی امیر جامعہ نظامیہ
۳۔ رفعت مآب عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر سرکار عالی ۔ ۴۔ فضیلت مآب ڈاکٹر نواب مہدی یار جنگ بہادر
۵۔ حقایق آگاہ مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ

۲۰۹ر۹۶
ا۔ م

اِدارہ ترقی تعلیم حسینی علم حیدرآباد (دکن)

۸ر
انتظامی پریس نظام شاہی روڈ

سلسلۂ نشان .... (۱۴)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
۱۔ مملکت حیدرآباد میں مذہبی تعلیم کی توسیع و ترقی کی تدابیر احیاء علوم و فنون اسلامیہ	۱
۲۔ عہد نبوی و سلف صالح کی تعلیمی سیاست	۱
۳۔ ترقی پسندی کی سند	۳
۴۔ نصاب دینی کی نظر ثانی	۳
۵۔ جامعہ نظامیہ کے امتحانات	۴
۶۔ علماء و فقہاء کا ماضی و حال	۴
۷۔ حکومت الٰہیہ اور پاکستان	۵
۸۔ علماء دین اور ہماری ملکی سیاست	۶
۹۔ ملک کے مجالس شوریٰ	۶
۱۰۔ ہمارا آیندہ نظام العمل	۹
۱۱۔ صدر مجلس علماء دکن کی یادداشت	۱۲
۱۲۔ جامعہ نظامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد اور اس کی اہمیت	۱۸
۱۳۔ امیر جامعہ نظامیہ کا خطبہ استقبالیہ	۱۸
۱۴۔ حضرت والاشان ولیعہد بہادر کا پیام مسرت افروز	19
۱۵۔ تقریر عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر در باب حکمت سرکار عالی	19
۱۶۔ فرمان مبارک (بنسبت تحفظ مقاصد و اغراض جامعہ)	۲۲
۱۷۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر کا خطبہ تقسیم اسناد	۲۴
۱۸۔ فرمان مبارک	۲۵
۱۹۔ انجمن طلباء قدیم جامعہ نظامیہ کی اہمیت	۲۸
۲۰۔ جامعہ نظامیہ کا نظام تعلیم اور اس کا بلند نصب العین	۳۲
۲۱۔ مدارس دینیہ کا قیام اور اس کا حلقہ اثر	۳۴
۲۲۔ نصاب نظامیہ کی اہمیت	۲
۲۳۔ تحصیل علوم دینیہ اور ذریعہ معاش	۳۵
۲۴۔ استاذ السلاطین کا دعا نامہ بپیشگاہ جلالت مآب میں	۳۶
۲۵۔ جامعہ نظامیہ کی تنظیم سے متعلق حکومت کا تصفیہ ۔	//

مملکت حیدرآباد میں مذہبی تعلیم اور اس کی ترقی و توسیع کے تدابیر

ہر ملک کے مذہبی اداروں نے تاریخ کے ہر دور میں اہل ملک کی معاشی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے ترقی کے اس دور میں بھی مذہبی تعلیم کی اہمیت کو گھٹایا نہیں گیا بلکہ جنگ کی وجہ سے وہ ممالک بھی جہاں مذہب اور اس کی تعلیم سے نفرت اور اس سے بیزارگی کے جذبات پھیلائے جاتے تھے وہاں بھی آج پہلے سے زیادہ مذہبی تعلیم کی اہمیت اور اس کے قدیم آثار کے تحفظ کی ضرورت کو تسلیم کیا جا رہا ہے ایسی صورت میں وہ ممالک

جہاں پہلے سے مذہبی تعلیم کی اہمیت مسلم ہے اور جہاں کی حکومت کا سرکاری مذہب اسلام ہے وہاں اس امر کی ضرورت محسوس کیجارہی ہے کہ ملک میں ایک خاص تنظیم کے ساتھ علوم دینیہ کی تعلیم کا سلسلہ پھیلایا جائے تاکہ اس سے عامہ مسلمین کو استفادہ کا موقع مل سکے!

حیدرآباد ایک اسلامی سلطنت ہے اور اس مملکت کے ہر دور میں مذہبی مدارس قایم رہے ہیں جہاں علوم دینیہ کی تعلیم کا اہتمام علماء کے ہاتھ میں رہا ہے جس سے دنیا کا ایک کثیر حصہ فیض یاب ہوتا رہا۔

اسوقت حیدرآباد میں مذہبی تعلیم سے متعلق شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ اور جامعہ نظامیہ کے نام سے دو مختلف نظام کے سلسلے جاری ہیں۔ جہاں پر علوم عربیہ کی تعلیم کا انتظام ہے!

شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ سنہ ۱۲۷۲ھ میں مشرقی علوم و فنون کی تعلیم کے لیے دارالعلوم قایم کیا گیا اور سنہ ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم کا نام جامعہ عثمانیہ قرار دیا گیا اور جامعہ عثمانیہ میں دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک شعبہ قایم کیا گیا جو شعبۂ دینیات کے نام سے موسوم ہے اس شعبے میں انگریزی ادب کے ساتھ علوم عربیہ کی تعلیم دلائی جاتی ہے لیکن یہ شعبہ جامعہ کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں زیادہ کشش رکھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ یوں بھی اس کے پچیس سالہ تجربے کی روشنی میں نصاب اور شعبے کے نظم و نسق پر نظر ثانی کی حاجت ہے تاکہ یہ شعبہ اطمینان بخش طریقے پر ترقی کر سکے۔

جامعہ نظامیہ دارالعلوم کالج کی موجودگی میں سنہ ۱۲۹۳ھ میں جامعہ نظامیہ اس غرض و غایت کے ساتھ قایم کیا گیا کہ اہل السنت والجماعت کے طریقے پر علوم عربیہ دینیہ کی اعلیٰ تعلیم دلائی جائے اور یہ سلسلۂ تعلیم خالص علماء کے تفویض رہا تاکہ یہ ادارہ سرکاری جکڑبندیوں سے بالکل آزاد خالص تعلیمی اصول پر مذہبی تعلیم دلاتا رہے۔ یہی ایک ایسی خصوصیت تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس جامعہ کی ناموری اور شہرت دور دراز ممالک تک پہنچ گئی لیکن حضرت بانی جامعہ کے رحلت کے بعد جامعہ نظامیہ کے فیض بخشیوں میں کمی پیدا ہوئی اور اس کا دائرہ افادہ بھی محدود ہوتا گیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے!

محکمہ فینانس کی مرتب کردہ عرضداشت مورخہ ۹ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۴۲ھ کی بناء پر مملکت حیدرآباد کے مذہبی درسگاہوں کی تنظیم کے سلسلے میں حسب فرمان خسروی صادر شدہ ۱۴ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۴۵ھ ایک کمیٹی قایم کی گئی۔ جس کے صدر اور معتمد

نواب صدر یار جنگ بہادر اور مولوی خورشید علی صاحب تھے اس کمیٹی کا بھی متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ جامعہ نظامیہ کی تنظیم اور اس کی اصلاح کے بعد مملکت کے ہر حصے میں مذہبی تعلیم کا اہتمام اعلیٰ پیمانے پر کیا جا سکتا ہے تا وقتیکہ جامعہ نظامیہ کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک یہاں علوم مذہبی تعلیم کا فروغ نہیں ہو سکتا کیونکہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں اپنی قسم کی واحد درسگاہ ہے اور اس مدرسے کے اغراض ایسے ہیں جو دوسرے مدارس سے پورے نہیں ہو سکتے اس لئے اس مدرسے کی حفاظت و استحکام کے ساتھ اس کے اصلی اغراض و مقاصد کا قایم رکھا جانا بھی ازبس ضروری ہے!

ہر بہی خواہ دولت آصفیہ سے ہماری استدعا ہے کہ جامعہ نظامیہ کی تنظیم جدید کے زیر انفصال تصفیے کو جلد سے جلد جاری کرنے کے لیے ارباب حکومت سے درخواست کرے اگر اس کی تنظیم ہو جائے گی تو اس کی حیثیت بھی بلند ہو جائے گی اور اس درسگاہ کے در و دیوار بھی بلاشک ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر اعظم کے اس زرین تاریخی مقولہ کا اعلیٰحضرت جلالت مآب فرمانروائے دکن کی بارگاہ میں اعادہ کریں گے کہ:-

آپ کی فوج کے تیر چند قدم پر کام دے سکتے ہیں لیکن
میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کی دعاؤں کے تیر آسمان
کی سپر سے بھی نہیں رک سکتے!

خلاصہ یہ کہ اس تالیف میں جو مضامین جمع کئے گئے ہیں وہ سب کے سب علوم دینیہ کی توسیع و ترقی سے متعلق ہیں امید ہے کہ یہ تالیف حیدرآباد میں مذہبی تعلیم اور اس کی توسیع مسائل کا مطالعہ کرنے والے جملہ اصحاب کے لیے دلچسپ اور مفید ہو گی۔

۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ
سلطان شاہی حیدرآباد دکن

خادم العلم

ابو الخیر کنج نشین
مدیر مجلہ نظامیہ

احیاء علوم و فنون اسلامیہ :-

شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری (نظامیہ) معتمد صدر مجلس علماء دکن نے نظامیین کے سالانہ جلسۂ عام منعقدہ ۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۲ھ م یکم تیر ۱۳۵۲ف میں جو بصیرت افروز خطبہ پڑھا' اہل علم حضرات کی خواہش پر مجلہ نظامیہ میں شایع کیا جاتا ہے !! کنج نشیں مدیر مجلہ نظامیہ :-

برادرانِ نظامیہ :- آپ نے جس نسبت سے آج کے اہم موقع کی صدارت کے لیے میرا انتخاب کیا اس پر میں آپ کے حسن ظن کا شکر گزار ہوں ورنہ مجھے اپنی کوتاہیوں کا پورا احساس ہے۔ باوجود مختصر مہلت اور کثیر مشغولیت کے میں نے آج آپ کی کارروائیوں میں شریک رہنا اس لیے پسند کیا کہ زمانہ حد درجہ نازک دور سے گزر رہا ہے شاید ہمارے مل کر پرخلوص غور کرنے سے خدائے قدیر ہمیں کوئی ایسی راہ سجھا دے جس میں اس کی بھی رضا ہو اور ہماری بھی صلاح و فلاح ۔

عہد نبوی و سلف صالح کی تعلیمی سیاست

برادرانِ درسگاہ ! میں اکثر خدائے علیم کی اس مصلحت پر غور کرتا رہتا ہوں کہ "نبی اُمّی ارواحنا فداہ" پر سب سے پہلی وحی "اقرا باسم ربک الذی خلق" الآیۃ کے ذریعے سے پڑھنے لکھنے کے احکام اور قلم کے فوائد کے متعلق کیوں آئی۔ یہ کوئی بے وجہ اور اتفاقی بات تو ہو نہیں سکتی۔ اس کے جو رموز و مصالح ہیں ان کی کل تفصیل تو خدا ہی بہتر جانتا ہے بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی تعلیم کی سیاست اسی اولین وحی کے ذریعے سے متعین ہوتی ہے۔ اسی کے تحت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں" اسی ربانی حکم کی تعمیل میں مرکز نبوت و حکومت پر جامعۂ صفہ قایم ہوتی ہے تو ملک کے طول و عرض میں مدارس کا جال پھیلا دینا حکومت کے اولین فریضوں میں داخل رکھا جاتا ہے۔ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا یا اور طور پر اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرتا تو سب سے پہلے اس کے علاقے میں معلم ہی بھیجے جاتے۔ عہد نبوی کے آخری سالوں میں تو بروایت طبری

صدر ناظر تعلیمات کا ایک عہدہ قایم ہوجاتا ہے جس کا فریضہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ہر ہر بستی کا دورہ کرے اور تعلیم کا بند وبست اور مدارس کی تنقیح کرے۔ عہد نبوی کے بعد اسلامی حکومت بہت کچھ اسی سیاست پر گامزن رہتی ہے اور نتیجہ دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح بے سروساماں بدویوں نے اسلامی تعلیم کے نیک اثر سے متاثر ہوکر وقت واحد میں دنیا کی دو عالمگیر شہنشاہتوں پر حملہ بول دیا تو مفتوحوں نے ان نووارد فاتحوں کا نجات دہندوں کی حیثیت میں استقبال کیا اور اپنے ہم مذہبوں کی ماتحتی پر ان اجنبیوں کو ترجیح دینے لگے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ ہی سال کے اندر ان کے ہاتھوں خدائی حکومت کی جو توسیع عمل میں آئی تھی وہ شرقاً وغرباً چین کی پہاڑیوں سے "اندلس" کی وادیوں تک اور شمالاً جنوباً آرمینیا کے مرغزاروں سے گجرات و بمبئی کے ساحلوں تک پھیل جاتی ہے۔ اور تین براعظموں پر پھیلی ہوئی اس وسیع مملکت کا دارالخلافہ پرانی دنیا کے بیچوں بیچ خاک پاک مدینہ میں ہوتا ہے۔ اس کا سلسلہ کم یا زیادہ تیزی سے جاری رہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں دو ہی تین صدیوں میں عربی زبان جو سابق میں بے مایہ محض تھی اب مسلم طور سے دنیا کی سب سے زیادہ علمی زبان بن جاتی ہے۔ فرنگیوں تاتاریوں اور خود ہم اخلاف کی نااہلیوں سے عظیم علمی ذخائر تلف ہوچکے ہیں۔ لیکن جو بھی قدرے قلیل تعداد مخطوطات کی بچی ہوئی ہے اس کو آج بھی دیکھنے پر قانون داں کہتے ہیں کہ چودھویں صدی ہجری کا مغربی قانون بھی اس سے بہت کچھ سبق لینے پر مجبور ہے۔ سائنس داں کہتے ہیں کہ دوربین اور حساس آلات پیمائش کے بغیر وہ اپنی سادہ آنکھ سے جو مشاہدات کئے اور لکھ چکے ہیں ان پر آج بھی کچھ بہت اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاق میں تو مقابلے کی ضرورت ہی نہیں۔ مغرب علانیہ معترف ہے کہ مادیت کی طلب میں وہ اعلیٰ اخلاق اور انسانیت و روحانیت میں "کالانعام بل ہم اضل" کا مصداق ہوگیا ہے۔

حضرات! اس تفصیل سے مجھے صرف یہی بیان کرنا ہے کہ ہماری

جامعۂ نظامیہ کا قیام جن روایات کے تحفظ اور آبیاری کے لیے ہوا وہ یہی اسلامی روایات اور اسلامی علوم ہیں۔ لیکن علم انسانی کا منتہا نہیں۔

ترقی پسندی کی سند

اس لیئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کوئی تامل نہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابت کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیں یا حضرت سلمان فارسی کے بتانے پر ایرانی حربیات کے ایک مفید طریقے یعنے خندق کو اختیار فرمالیں۔ مگر آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ چغمینی کی علم ہیئت نعوذباللہ قرآن وسنت سے زیادہ اٹل ہے۔ مطوّل اور مسلم الثبوت وغیرہ کتابوں کے شروح کے حاشیوں کے حاشیے ہماری علمی دوڑ کی باڑ ہیں چاہے نفس فن کا حقایق بروزمرہ پر اطلاق بالکل نہ آئے۔ تفسیر بیضاوی کے ابتدائی ڈھائی پارے کبھی نصاب سے خارج نہ ہونگے حالانکہ اس میں چاہے ہر چیز ہو نفس تفسیر قرآن مجید برائے نام ہی ہے۔ ہمارے پاس صرف ونحو کی کتاب پر کتاب فاضل وکامل تک رٹائی جاتی ہے لیکن کبھی اللہ کے بندے اس پر توجہ نہیں کرتے کہ "طلبہ کو صحیح عربی میں لکھنے اور بولنے کی مشق کرائی جائے۔ ابھی حال میں ایک ممتحن صاحب نے شکایت کی کہ ایک اعلیٰ ترین جماعت کے طالبعلم نے "غلط" کا املا ہمیشہ "ت" سے لکھا ہے۔ اپنی مادری زبان میں تک لکھنے یا بولنے میں ہمارے طلبہ بہت پیچھے ہیں!!

نصاب دینی کی نظر ثانی

خیر یہ تو نظم تعلیم اور نظام تعلیم کی خامیاں ہیں۔ ان پر کچھ سننا بھی بہتوں کو ناگوار گزرتا ہے گو اُن کی اصلاح نسبتہً آسان ہے اس سے اہم تر مسئلہ تعلیم کی بنیادی سیاست ہے سیاست ہونی یہ چاہئے کہ جو چیزیں اصل ہوں ان میں طلبہ براہ راست اصل سے وابستہ رہیں جیسے قرآن وحدیث۔ اور جو چیزیں محض فروعی اور امدادی ہوں مثلاً منطق صرف ونحو وغیرہ تو ان علوم کے بنیادی مسائل طلبہ کے ذہن نشین کرادینا کافی ہے اور رٹنے اطلاق ومشق کی جگہ صرف زبانی حفظ کو

قطعاً ختم کر دینا چاہیئے۔ اور آخر میں جو علوم حالات حاضرہ پر مبنی ہوں ان کی حد تک نکلے ہوئے سانپ کی لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں مثلاً علم کلام میں ایسے مذاہب اور نظریات کی تردید بالکل لاحاصل ہے جن کا اب کوئی دعویدار ہی نہیں۔ یا فقہ کے حصۂ معاملات میں ایسے کاروبار کی تفصیلیں جو دنیا میں اب رائج ہی نہیں فضول اور تضییع وقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے برخلاف جدید ترین اور روزمرہ کے معاشی مسائل سے جیسے بنک کے کاروبار اور سرمایۂ مشترکہ کی نت نئی صورتیں، حصص کی فروخت، دستاویزات قابل بیع و شراء، مختلف اقسام کے رہن محصول اندازی، نظام اشتراکیت، حکومتی اجارہ داری وغیرہ بیسیوں مسائل ہیں جن پر ہمارے فقہاء کو ستی سنائی یا توں پر فتوی بازی سے بچنا اور ان مسائل کا براہِ راست مطالعہ کر کے ان کے متعلق قرآن و حدیث و اجماع کی مدد سے صحیح اسلامی احکام کی تحقیق کرنا اور ان چیزوں کی طلبہ کو تعلیم دینا یا کم از کم طلبہ میں ان مسائل کی تحقیق کا ذوق اور سلیقہ پیدا کرنا چاہیئے۔

جامعۂ نظامیہ کے امتحانات

اسی طرح یہ ہمیشہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ ہماری جملہ دینی اور تمدنی ادبیات عربی میں ہیں۔ فارسی میں متاخر تاریخ اور تصوف کا کچھ حصہ بے شک ہے لیکن جامعۂ نظامیہ کو فارسی سے ایسی دارفتگی نہ ہونی چاہیئے کہ عربی کو ذرا بھی نقصان پہنچے بلکہ خود فارسی امتحانوں کے نصاب میں "جام و سبو" کے تذکروں کو گھٹا کر اخلاق، موعظت اور خود عربی زبان کا کافی عنصر ہونا چاہیئے۔ غیر اسلامی جامعات کے اغراض و مقاصد ہم سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہیں کے نصاب کی بحالی ملک و ملت کے لیے تحت نقصان کا باعث متصور رہے

علماء و فقہاء کا ماضی و حال

دوستو۔ ایک زمانہ تھا کہ خلفاء و سلاطین کے سیاسی مشیر اور صوابدید کے معاملات میں رہنما صرف علماءِ دین و فقہاء ہوا کرتے تھے اس کی وجہ یہ بھی ہوتی ہوگی کہ فقہا و علم

سیاسیات کے ماہر ہوتے ہوں گے۔ آج کتنے کاملین فقہ ہیں جنھوں نے باب السیر، باب الامارۃ والامامۃ، وغیرہ کا فقہ کی کتابوں میں کبھی بھی غور سے مطالعہ کیا اور ان کے احکام کا زمانۂ حال کے مسائل پر اطلاق کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں زیادہ الزام ان افراد یا ادارات پر نہیں دھرتا جو ملک کی سیاسی ناخدائی کے لیے ربّانی کا کام علماء و فقہاء سے لینا پسند نہیں کرتے قصور خود ہمارا ہے کہ ربانی کے فن سے نابلد ہو چکے ہیں!

حکومت الٰہیہ اور پاکستان

ورنہ کیا یہ رونے کا مقام نہیں کہ ملک تو پاکستان اور حکومت الٰہیہ کے نام کی رٹ لگا رہا ہے اور رہنمایان ملک کے معلومات حکومت الٰہیہ کے تفصیلوں کے متعلق مارگولیوٹ اور ردیمرا اور گولڈسی ہر سے حاصل ہوتے بلکہ انھیں پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا کی عظیم ترین اسلامی تنظیموں کا حال یہ ہے کہ اس کے اجارے دار اور ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کے علمبردار بلکہ ذمے دار اپنا عمل دنیا کے سامنے یہ پیش کرتے ہیں کہ حقوق اور برائت سب ان کو اور ذمہ داریاں اور پابندیاں سب دوسروں پر۔ منہیات شرعی سے ان کو اجتناب نہیں سود خواری سے ان کو پرہیز نہیں نماز روزے کے ترک پر ان کو حجاب نہیں اور ان کی مشاورتوں میں خدام شریعت کو کبھی دخل نہیں۔ ایسے وقت سوال یہ ہونے لگتا ہے کہ آخر حکومت اسلامیہ اور حکومت الٰہیہ کہتے کس کو ہیں۔ کیا صرف لاطینی اور سنسکرت کی جگہ عربی میں نام رکھ لینے اور باقی ہوا و ہوس کے جاری رہنے کو یا قرآن و سنت کے اوامر و نواہی کی تعمیل پہلے خود کرکے پھر دوسروں کو اس کا پابند بنالے کو؟ بہرحال ہمارے علماء پہلے اپنے فرائض انجام دیں اور ناخدائی کے فن میں مہارت حاصل کرلیں پھر ان کے حقوق و درجات ان کو مل کر ہی رہیں گے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ جامعۂ نظامیہ اور شعبۂ دینیات عثمانیہ میں خاص کر اور

دیگر اسلامی مدارس میں عالم میں عام طور پر متوازی علوم جدیدہ بھی جزو لاینفک بنا دیے جائیں ورنہ قدامت سے وابستگی اور عصریت سے مکمل واقفیت کے بغیر ہم منزل مقصود سے بے راہ ہو جائیں گے اور مغز کی جگہ چھلکے کے مالک رہ جائیں گے۔ مثلاً اصول فقہ کے ساتھ جدید اصول قانون، فقہ کے حصۂ عبادات کے ساتھ جدید جغرافیۂ طبیعی و ہیئت، حصۂ معاملات کے ساتھ جدید اصول و ادارات معاشیات اور حصۂ جنایات و زواجر کے ساتھ جدید متعلقہ قوانین بین الممالک کا مطالعہ لازمی ہے۔ علم احکام سلطانیہ کے ساتھ جدید اصول دستور و سیاسیات کو پورا وزن دینا چاہیے۔ اسی طرح مثلاً حدیث کے ساتھ تاریخ اسلام خاص کر عہد نبوی و خلافت راشدہ کی ضرور پڑھائی جائے۔ تجوید کے ساتھ صوتیات کے مبادی ضرور سمجھائے جائیں۔ کلام کے ساتھ جدید نظریات فلسفہ و سائنس سے بے بہرہ نہ رکھا جائے۔ مردہ لوگوں کی ہڈیوں کی پرستش کی جائے ورنہ خدا نہ کرے علماء دین اور واقفان شریعت کی کس مپرسی ان کو فنا و ناپید ہی نہ کر دے

علماء دین اور ہماری ملکی سیاست حضرات! علم کے ساتھ عمل کی ضرورت لازم و ملزوم ہے۔ محض جبہ و عمامہ کسی عالم کو اس کے علم کے باعث احترام کا مستحق نہیں بنا سکتے۔ وہ صرف چار پائے بر و کتابے چند کا مصداق ہوتا ہے اسی لیے طلبہ دین کو احکام دین کا نمونہ بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حقوق اللہ کی خلاف ورزی شاید توبۂ نصوح پر خدائے غفار معاف کر دے لیکن حقوق العباد کا اتلاف ہماری نیکیوں کو بھی ختم کرائے بغیر نہیں رہتا۔ اگر علوم دینیہ کے طلبہ دفاتر میں رشوت سے اجتناب نہ کریں، کاروبار میں دیانت نہ دکھائیں وعدے کی پابندی نہ کریں تو پھر آخر کریں تو کون ؟!

ملک کے مجالس شوریٰ صورت حال ارباب ملک کی یہ ہو گئی ہے کہ ڈسپلین نام

ہے اس کا کہ ظالم مارے بھی اور رونے بھی نہ دے ۔ تخفیف مداخل اور ازدیاد مصارف کے انتظامات کی رفتار تیز تر ہو گئی ہے ۔ مختصر یہ کہ بے شمار برائیاں ہمارے جسد سیاسی کے ہر ہر عضو کو بیمار بلکہ ماؤف کر چکی ہیں ۔ عزیزو ۔ عالم اسلامی اس وقت جس بد نصیبی سے گزر رہا ہے اس میں ہر جگہ یہی چیز نظر آتی ہے کہ حکومت طبقۂ علماء کو کوئی اہمیت دینے پر آمادہ ہی نہیں ۔ مثلاً ملک میں مجالس شوریٰ قایم کی جاتی ہیں مگر نہ اوقاف اسلامی میں علماء کو دخل نہ امور مذہبی میں ان کو کوئی اثر نہ مالیۂ سرکاری سے ان کو کوئی واسطہ نہ تعلیم سے انھیں کوئی سروکار نہ دیگر مجالس میں ان کی کوئی ضرورت ۔ ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ عوام اور ملک کے اکثریت تامہ رکھنے والے طبقہ غرباء سے جتنا قریبی اور جتنا راست و بلا واسطہ تعلق علماء و مشائخین کو ہوتا ہے کسی کو نہیں ہو سکتا ۔ یہ مجالس شوریٰ نئی قایم ہوئی ہیں ۔ ان کی کامیابی کی بہت بڑی ذمے داری صدر المہاموں پر ہو گی کہ وہ ان سے کن معاملات میں مشورہ کریں گے اور مشوروں پر کس تیزی سے اور کس حد تک عمل کریں گے اور رعایا کی صحیح ضرورتیں کس حد تک معلوم کی جائیں گی ۔ ان مجالس شوریٰ کے اولین ارکان کا انتخاب کن اصول اور معیاروں پر کیا گیا ہے آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا ۔ مثلاً مجلس تعلیمی کے غیر سرکاری ارکان کی خاصی بڑی اکثریت ایسے اصحاب کی نظر آتی ہے جن میں تعلیمی مسائل سے نہ تو کوئی خصوصی دلچسپی رہی ہے اور نہ تجربہ و واقفیت ۔ یا مجلس اوقاف اسلامی میں نہ تو حضرات سجادگان کی کوئی نمائندگی ہوئی ہے اور نہ متولیان اوقاف کی ۔

مجالس ضلع کی کارکردگی نسبتۂ زیادہ عمر رکھتی ہے لیکن صحافت میں جو روداد یں آتی رہی ہیں ان میں اکثر یہ جملہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں فلاں محکمہ کو توجہ دلادی جائے گی ۔ کارروائی کو ٹالنے بلکہ ختم کرنے کا یہ آسان ذریعہ ہے ۔ ضرورت ہے کہ سال آیندہ صوبہ دار صاحبوں کی رپورٹ

میں جملہ مواعید کے متعلق اس کا ذکر رہے کہ دوران سال میں ان کی توجہ فرمائی کا اثر کیا ہوا اور تعویق کی ذمہ داری کس پر ہے اور باز پرس کا کیا انتظام ہوا ہے۔ اسی طرح دوسرے محکموں پر مہربانی سے زیادہ صوبہ دار صاحبوں کو خود اپنے تحت کے جملہ انتظامات کی بھی غیر جانب دارانہ جانچ کرنی چاہیے۔ مثلاً صوبہ دار اور تعلقدار اپنے حدود کی حد تک افسر امور مذہبی بھی ہوتے ہیں۔ اب تک جتنی رپورٹیں آئی ہیں ان میں شاید بجز ایک کے ہر کسی نے امور مذہبی کو اتنا غیر اہم بلکہ شاید غیر مہذب سمجھا ہے کہ اس کے ذکر کی تک ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

ان سب کے علاوہ رشوت ستانی کی وبا حد کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے انسداد کے لیے ایک مستقل ادارے کا قیام موازنہ سرکاری کے کاغذوں کی حد تک تو عمل میں آچکا ہے لیکن اس کی کارگزاری اور نتائج سے کوئی واقف نہیں۔ درخت میں اگر کیڑے لگے تو صرف چند پتوں کا توڑ دیا جانا نہ صرف لاحاصل ہے بلکہ کیڑے کا اثر درخت میں پھیلنے سے ذرا بھی نہیں رکتا۔ اگر رشوت ستانی پر صرف اہلکاروں اور چپراسیوں کی برطرفی عمل میں آئے اور اعلیٰ عہدہ دار امن میں رہیں تو مقصد کا حصول کس طرح ممکن ہو۔ رشوت ستانی ایسی چیز نہیں جو بجز انتہائی شاذ صورتوں کے کبھی بھی ریاضیاتی صحت کے ساتھ ثابت ہو سکے۔ نواب سالار جنگ اول کے زمانے کے جرائد سرکاری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں گمان غالب پر اعلیٰ ترین عہدہ داروں کو برطرفی تنزل بلکہ قید کی سزا دی جاتی تھیں۔ ادنیٰ ملازموں کے لیے یہ خود ہی عبرت بن جاتا تھا اور نتیجہ یہ تھا کہ تب ہمارا نظم ونسق برطانوی ہند سے کہیں زیادہ بہتر ہو چکا تھا اور ہمارے وزیر اعظم برطانوی ہند کی نمایاں بدانتظامیوں پر دوستانہ لیکن شدید احتجاج کر کے توجہ دلایا کرتے تھے۔ رشوت کے مختلف طریقے ہیں۔ اب ایک جدید ترین صورت باہمی عزیزوں کے

تقررات و ترقیات ہیں۔ بہرحال اعلیٰ ترافسر کی اصلاح سے جملہ ماتحت خود بخود درست ہوجاتے ہیں۔ سزا صرف تحت والوں کو دی جائے۔ اور اعلیٰ ترافسر اسی بلکہ اس سے شدید تر جرم کے ارتکاب کے باوجود براءت پاتے ہیں تو اصلاح حباب سے بھی زیادہ عارضی ہوگی بلکہ ہوگی ہی نہیں۔ رشوت ستانی کی اصلاح کے لیے نصاب تعلیم میں اخلاقی اور مذہبی عنصر کے کثیر اضافے کی بھی ضرورت ہے۔ دنیاداری کی تعلیم ڈھیٹ بنادیتی ہے۔

ہمارا آیندہ نظام العمل عزیزان ملت۔ میری دانست میں وسیع اور خیالی لائحۂ عمل بنانے میں ہماری پوری توانائیوں کو خرچ کرڈالنے اور پھر عمل سے غافل ہوجانے کی جگہ مناسب یہ ہوگا کہ صرف چند بنیادی اور نسبتہً چھوٹی چیزوں پر مسلسل اور خاموش ٹھوس کام شروع کیا جائے۔ ایسی چند چیزوں کی یہاں تجویز پیش کی جاتی ہے:۔

(۱) مسجدیں آباد کرو اور مسجدوں کو عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے فرائض کا حامل بنادو وہ ہماری تعلیم و تربیت اور ہماری جمعیت و تعاون کا مرکز و مظاہرہ ہوں!

(۲) مسلمانوں میں کفایت شعاری پیدا کراؤ اور انھیں سودی چنگل سے بچاکر عزت سے روزی کمانے کے قابل بناؤ۔ سودی قرضے لے کر تقاریب کرنے والوں کی دعوتوں کا قطعی بائیکاٹ کردو۔ بلاسودی امداد باہمی کے بارے میں حیدرآباد نے تمام دنیائے اسلام کی حالیہ زمانے میں رہنمائی کی ہے۔ حکومت کے بھروسے پر رہنے کی جگہ اپنی آپ اعانت کو ترقی دے کر انجمن ہائے امداد باہمی قرضۂ حسنہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں قائم کرو۔ میرے پیرومرشد اور والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ موئیدالاخوان اب باون سال سے مسلسل کام کررہی ہے۔ چھوٹے پیمانے پر آغاز کے باوجود اس عرصے میں وہ لاکھوں ہی کا بے سودی قرضہ دے چکی اور غریب مسلمانوں کا ہزاروں ہی روپیہ سودخوار جونکوں کے پیٹ میں جانے سے بچایا ہے۔ اسی طرح کی دیگر بڑی انجمنوں میں محکمۂ بندوبست وغیرہ کی ہیں۔ انجمن عزیزیہ اور انجمن حبیبیہ بھی ہزاروں کا سرمایہ

جمع کر چکی ہیں۔ ضرورت ہے کہ گاؤں گاؤں میں اس قسم کی انجمنیں پھیل جائیں لیکن مجھے یہ کہہ دینا ہے کہ اخراجات خرچ کسی نے مستقل طور سے زیادہ رکھا تو لقمان کی حکمت و دانائی بھی اسے تباہی سے بچا نہ سکیں گے۔ ضرورت ہے کہ اول طبیعت پر جبر کرکے اور جھوٹی مشیخت دور کرکے آدمی اپنے مصارف اتنے گھٹائے کہ مصارف اس کی آمدنی سے کچھ کم ہو جائیں، پھر انجمن ہائے قرضۂ حسنہ اس کی دستگیری کر سکتی ہیں۔ شادی بیاہ اور دیگر سماجی تقریبوں میں جتنا بیجا خرچ ہوتا ہے وہی ہماری معاشی تباہ حالی کا بڑا باعث ہیں۔

(۳) مسلمان شعائر اسلامی کے پابند بنیں اور روایات اسلامی کی عزت کرنی سیکھیں۔ اسلامی اوامر و نواہی کی تعمیل اتنی مشکل چیز نہیں ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی وعظ کے احکام۔ پھر ان اسلامی احکام میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی بیک وقت مضمر ہے نہ یہ کہ ایک عالم میں محض تکلیف ہی تکلیف رہے۔ نماز اور روزے سے آپ کے روحانی تزکیے کے ساتھ صفائی، صحت، وقت کی پابندی، جفاکشی وغیرہ بیسیوں مفید دنیا فوائد آپ کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ داڑھی منڈھانا چھوڑ دو تو آپ کا وقت، آپ کا روپیہ، آپ کی بصارت سب کی حفاظت و بچت ہو۔ مسلمانوں میں ام الخبائث کا رواج بھی کچھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس خانہ خراب کا انسداد ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔ سینماؤں کے گندہ فلم اور ناٹکیں بھی اجتماعی چوکسی اور پہرہ بندی کی محتاج ہو گئی ہیں۔ مسلمانوں میں اسلامی تعزیرات کا عدم رواج بھی بہت سی برائیوں کا ذمہ دار ہے۔ مسائل شخصی کے مقدمات کو بھی اسلامی عدالتوں میں منتقل کرانے کے لیے مسلسل جد و جہد کی ضرورت ہے جس پر ان شاء اللہ جلد عملی کام شروع کیا جائے گا۔

(۴) اپنے ذہن اور اپنے اخلاق کے ساتھ اپنے جسم سے بھی غفلت نہ برتئے۔ فنون مدافعت سے واقفیت و مہارت پر روز افزوں توجہ کی ضرورت ہے۔

(۵) اپنے اسلاف کی علمی میراث کی حفاظت پر توجہ کیجئے۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ

نے فقہ حنفی کی حد تک چشم بد دور بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے۔ دیگر مذاہب فقہ بھی غیر نہیں ہیں۔ سب استادوں اور شاگردوں کا معاملہ ہے۔ ان کے اور قرآن و حدیث تاریخ اسلام تصوف اور علم کلام وغیرہ کے لیے بھی ایسی ہی مزید انجمنیں قائم کیجیے۔ اس کے لیے سرمائے کی اتنی ضرورت نہیں جتنی خلوص محنت اور قابلیت کی جیسا کہ احیاء المعارف کا تجربہ بتاتا ہے۔

یہ پانچ مختصر چیزیں ہیں جن پر توجہ دلاتے ہوئے میں اپنے اس خطبے کو ختم کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ طلبۂ نظامیہ قدیم ہوں کہ جدید اسلامی روایات کا ایسا نمونہ پیش کریں گے جو اسلام کے شایان شان ہو۔ آپ کا ماضی یہ رہا ہے کہ حضرت استاذ السلاطین رح کے فیض و برکات سے اسی نظامیہ برادری نے بڑے بڑے جید علماء و سیاست داں پیدا کیے اب بھی حضرت مولانا رحیم الدین صاحب مولانا ابو الوفاء صاحب مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا سید ابراہیم صاحب وغیرہ علوم قدیمہ میں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ڈاکٹر عبد الحق وغیرہ علوم جدیدہ میں مولوی جسٹس خواجہ عبد العزیز عدلیہ میں اور نواب رحمت یار جنگ بہادر سیاست دان میں تعارف کے محتاج نہیں یہ سب اسی جامعہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔

وہ زمانہ بھی کیا مبارک تھا جب مولانا فضیلت جنگ رح صدر الصدور اور معین المہام امور مذہبی تھے اور حکومت انکی دیندارانہ مشورت سے چلتی اور راعی و رعایا دونوں کیلئے لاانتہا برکات کا باعث بنی ہوئی تھی۔ جبتک ہماری حکومت حقیقی اہل دین کے ہاتھ نہ آئے اس وقت تک کسی کی دنیا بھی ٹھیک ہونیکی توقع نہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ خدا ہم سب کو اسلامی شعائر کی ظاہر و باطن میں پابندی کی توفیق عطا فرمائے اور خاصکر ہماری نوعمر نسل کو روایات اسلامی کی عزت سکھائے اور آرام طلبی کی خاطر اپنے روایات کو نظر انداز کرنے سے انھیں بچائے۔ اور ہم سب کو فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ سے بہرہ ور فرمائے۔ اور حضرت جلالت مآب سلطان العلوم شمس الملت والدین کا سایۂ عاطفت تا دیر ہمارے سروں پر قایم رہے اور حضرت ظل اللہ کے ہاتھوں دین و ملت کے بڑے سے بڑے کام دن دونے رات چوگنے انجام پائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

صدر مجلس علمائے دکن کی یادداشت

مقدمات شخصی کا فیصلہ حاکمان شخصی سے ہونے سے متعلق

شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری (نظامیہ) معتمد صدر مجلس علماء دکن مستحق مبارکباد ہیں کہ مولانا موصوف کے انتھک علمی اور قومی خدمات کے یہ محمود نتائج ہیں کہ ملت اسلامیہ کی اصلاح و ترقی کے لیے ہر ممکنہ مساعی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے اور ہر وقت حکومت اور ملت کے سامنے مفید تحریکات کو پیش کرنے میں کبھی بھی کوتاہی نہیں فرمائی اب اہل ملک کا کام ہے کہ ملت کی صحیح تنظیم میں مولانا موصوف کیساتھ اشتراک عمل فرمائیں (دکن نشین)

دور حالیہ میں اہل مشرق کی زندگی کا ہر شعبہ نئے احساسات اور نئے جذبات کا مرقع بنا ہوا ہے ان جذبات میں خودداری اور خود شناسی کا جذبہ سب سے تیز معلوم ہوتا ہے۔ سیاسی و اخلاقی و دیگر دائرہ ہائے عمل کی طرح قانون و عدل گستری میں بھی عوام الناس کے جذبۂ خودداری سے نئی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔

فطرت کا ایک حیران کن کرشمہ ہمیں اس شعبے میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسلام ہی وہ پہلا تمدن تھا جس نے ذمیوں یعنے غیر مسلم رعایا کو قوانین و عدل گستری کے اغراض کے لیے خود مختار وحدتیں قرار دیا تھا اور مثال کے طور پر صریح قرآنی احکام اور سنت نبوی کے باعث یہودی رعایا کے مقدمات یہودی عدالتوں میں یہودی قانون کے مطابق یہودی حکام عدالت ہی کے ذریعے سے فیصل ہوتے اور نفاذ پاتے تھے۔ یہ خصوصیت اسلامی حکومتوں میں عہد نبوی سے لے کر اب تک ہر اسلامی مملکت میں باقی رہی۔ اور اسی اصول کے باعث حیدرآباد میں بھی ہندو رعایا کے لیے دھرم شاستر ہی پر عمل کرایا جاتا ہے۔ اور عدالت العالیہ میں شاستری کا عہدہ رکھا گیا جو خود ہندو رعایا کے مطالبے پر معمولی رکن عدالت العالیہ میں بعد میں بدلا گیا۔ یہ سب کچھ ایک طرف اور انقلاب زمانہ کی نیرنگی ایک طرف ستم ظریفی معلوم ہوتی ہے کہ اس اسلامی مملکت میں اور تمام طبقات رعایا تو اپنے حقوق سے مستفید

ہو رہے ہیں اور حقوق سے محرومی کا شکار ہوتا جا رہا ہے تو صرف مسلمان ۔

دیگر شعبہ ہائے حیات سے یہاں بحث نہیں۔ اس یادداشت میں صرف قانون اور عدل گستری پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ سلطان علاء الدین خلجی سے لے کر حضرت افضل الدولہ کے زمانے میں سالار جنگ اول کے دور وزارت تک دکن میں مسلمانوں سے شریعت متعلق ہوتی رہی ہے چاہے مقدمات دیوانی کے ہوں یا فوجداری کے یا مسائل شخصی کے اور گاؤں گاؤں میں جو سرکاری قاضی ہوتے تھے وہ عدالتی فرائض ہی کی انجام دہی کے لیے مامور تھے لیکن پھر ناگفتہ بہ وجوہ سے شریعت کا دائرۂ نفاذ اور قاضیوں کا دائرۂ عمل مسلسل گھٹایا جانے لگا حتیٰ کہ نئی نسل یہ بالکل بھول گئی ہے کہ قاضی کے معنے خود حاکم عدالت کے ہیں اور اب قاضی سے مراد عرف عام میں وہ شخص ہوتا ہے جو نکاح کی تقریب میں کچھ لکھی ہوئی عربی عبارت معنیٰ و مطلب سمجھے بغیر محفل میں گنگنا دیتا ہے اور اپنا [illegible] وصول کر لیتا ہے۔

سرکار عالی نے جب مالگزاری کا کام متاجروں اور ٹھیکہ داروں کی جگہ امانی میں شروع کرایا تو جلدی ہی قدیم دیسکھ اور دیسپانڈے اپنے فرائض منصبی یعنے وصولی مالگزاری سے تو سبکدوش کر دیے گئے اور ان کی جگہ تحصیلدار اور ڈویژن افسر وغیرہ مامور ہوئے۔ لیکن اپنے حقوق و مراتب یعنی سرکاری معاشوں سے محروم بالکل نہیں کئے گئے۔ نسبتًہ کم مقدار میں، لیکن مماثل اصول پر قاضیوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ ان کے فرائض ان سے لے کر منصفوں اور دیگر حکام عدالت کے سپرد کئے گئے۔ لیکن ان کی سرکاری معاشیں موروثی طور پر بحال رہیں۔

حکومت کا یہ طریقۂ عمل اچھا رہا ہو یا نہ، لیکن عدل گستری کے سلسلے میں اس سے مسلمانوں کو جو بے انتہا نقصان پہنچا اس کی کچھ وضاحت ضروری ہوگی۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سالار جنگ اول نے شریعت کو حکومت کے قانون کی حیثیت سے بتدریج گھٹانا شروع کیا۔ اور مختلف مسائل کے لیے برطانوی ہند کے انگریزی قانون رعایائے سرکار عالی پر نافذ کئے جانے لگے۔ تا آنکہ اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سوائے نکاح، طلاق، نسب، وراثت، وصیت جیسی پانچ سات چیزوں کے

سوا کسی امر میں فریقین کے مسلمان ہونے کے باوجود شریعت کا نفاذ نہیں ہوتا۔

قانون شخصی کی مذکورہ بالا پانچ سات چیزوں کے مقدمات کی سماعت بھی حالیہ زمانہ میں قاضیوں سے چھین کر معمولی حکام عدالت کے سپرد کردی گئی ہے جن کے لیے مسلمان ہونا یا قانون اسلامی کی اسپرٹ سے واقف رہنا کوئی ضرورتی نہیں ہے۔ پایۂ تخت حیدرآباد میں بھی جہاں باقیات الصالحات عدالت دارالقضاء تا حال موجود ہے وہاں بھی مرافعہ کے اغراض کے لیے معمولی عدالتوں سے رجوع کرنا ہوتا ہے۔

اس صورت حال کے برے اثرات اب سختی سے محسوس ہونے لگے ہیں اور قانون شخصی کے مقدموں میں علانیہ خلاف شرع فیصلوں کی بہتات ہی ہوتی جا رہی ہے جس پر مقدمۂ دلاری بائی میں صدر مجلس علماء دکن نے بھی شدت سے احتجاج کیا تھا لیکن محکمۂ عدالت کی موجودہ مشنری میں بنیادی تبدیلی کے بغیر اس صورت حال کی اصلاح ممکن ہی نہیں

اسی لیے مجلس علماء اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا ہے اور وہ ایک قابل عمل اسکیم بایں ہمہ پیش کرتی ہے۔

اولاً مالی مسئلہ ہے کہ ان زاید عدالتوں کے مصارف کی پابجائی کیسے ہو؟ دوسرا فنی مسئلہ ہے کہ ایسے ماہر حکام عدالت کی فراہمی کی کیا سبیل ہو؟ تیسرے انتظامی مسئلہ ہے کہ عدالتوں کے حدود و مدارج کیا ہوں؟ نیز بعض دیگر متفرق امور

پہلے سوال کا اوپر جواب اشارۃً دیا جا چکا ہے کہ عدالتی کام کے لیے ہزاروں کی معاشیں موروثی طور پر سرکار نے مقرر کر رکھی ہیں۔ اور عدالتی کام نہ لینے کے باوجود تاحال ان معاشوں سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ مختصراً اس سوال کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مقدمات شخصی کا عدالتی کام آیندہ بجائے منصفین و نظماء وغیرہ کے قاضیوں سے لیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے فرائض میں سے چند دوبارہ ان کے ذمے کردیے جائیں۔

فوراً دوسرا سوال ہوگا کہ کیا موجودہ موروثی قاضی ان فرائض کو قابل اطمینان طور سے انجام دے سکتے ہیں؟ جب ایک اصول اور پالیسی طے ہو جاتی ہے تو اس کو جامۂ عمل پہنانے کے وسائل کسی نہ کسی طرح فراہم ہو جاتے ہیں چنانچہ موجودہ (۱۴۰

موروثی قاضیوں میں سے کچھ نہیں تو درجن نصف درجن ضرور ایسے مل جائیں گے۔ جو امتحان وکالت جوڈیشل وغیرہ کامیاب ہونے کے باعث مقدمات شخصی کا عدالتی کام کماحقہٗ انجام دے سکیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ آئندہ قضاءت کی متعلقہ معاش کی وراثت کے لیے یہ شرط لگا دینی چاہیئے کہ جانشین کم از کم مولوی عالم یا انٹر دینیات اور ضابطہ و آداب القاضی کے نصاب کی تکمیل کر کے سند حاصل کر چکا ہو۔ اولادِ اکبر کو ان شرائط کی تکمیل پر ضرور ترجیح دی جائے۔ لیکن صرف اولادِ اکبر ہونا معاش کی وراثت کے لیے واحد بنائے حقیت نہ رہے۔ تیسرے آغاز کار چند حصہ ہائے ملک سے کیا جائے اور پورے ممالک محروسہ پر اس کا اطلاق رفتہ رفتہ حسب سہولت ہو۔

چوتھے جو موروثی قاضی عدالتی کام کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں اور نہ معینہ مدت میں وہ قابلیت حاصل کر لیتے ہیں ان کی معاش سے کم از کم ایک ثلث سے کسی اہلیت رکھنے والے نائب کا تقرر کیا جائے اور پانچویں خاص خاص مقامات پر جہاں قاضی نہ ہو مقامی خوش باش اہل اشخاص کو اعزازی قاضی مقرر کر کے ان سے عدالتی کام لیا جائے۔

انتظامی نقطۂ نظر بھی جو تیسرا مسئلہ ہے کچھ کم نہیں ہے۔ فی الوقت تقریباً ہر گاؤں میں سرکاری ملّا پائے جاتے ہیں جن سے اوپر تقریباً ہر تعلقے میں قاضی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان میں درجہ بندی کی جائے۔ قاضی اپنے مستقر پر سکونت رکھنے کے پابند کئے جائیں۔ گاؤں میں ملا تعلقات میں قاضی تعلقہ اضلاع میں قاضی ضلع صوبوں میں قاضی صوبہ ہوں بلدہ حیدرآباد کی عدالت دارالقضاء شرعی معاملات کی حد تک ممالک محروسہ کی آخری عدالت مرافعہ اور براہ راست جوڈیشل کمیٹی کی ماتحت ہو اور جوڈیشل کمیٹی کے ارکان میں سے ایک مفتی بھی ہو جس کی رائے ہر مقدمہ میں شریک معروضہ رہے اور یہ پورا انتظام رفتہ رفتہ بتدریج عملیت میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ مالگزاری کے ادارات عدالت ہائے شرعی کے حدود بھی یہی ہوں معاشات کی مقداروں کے لحاظ سے حیدرآباد (شمول میدک) اورنگ آباد گلبرگہ اور بیدر کے قاضی قاضیانِ صوبہ قرار دیے جا سکتے ہیں

قاضی ضلع کے لیے نظام آباد، ناندیڑ، بیڑ، نلگنڈہ، کھمم (بجائے ورنگل) نیز (بجائے عثمان آباد) اوسہ، کریمنگر، بھونگیر، کھن پورہ، اطراف بلدہ، گلبرگہ، رائچور، بیدر، پربھنی آرام گیر (بجائے عادل آباد) کے علد آباد (بجائے اورنگ آباد کے) مرکز قرار دیے جا سکتے ہیں اور جہاں تک ہمیں علم ہے صرف شہر رائچور اور میدک کے لیے خصوصی انتظام کی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ یہاں کے قاضیوں کی معاش قضاءت ضلع کے لیے ناکافی ہے ان کے لیے ماہواروں کی اجرائی ہو سکتی ہے۔

سرکار عالی نے دیہات میں خدمات عمومی کے انجام دینے والوں کے لیے جو بلوتہ مقرر کر رکھا ہے اس میں قدیم سے ملاؤں کا بھی حصہ تھا۔ کیونکہ یہ بھی نماز ذبیحہ تجہیز و تکفین جیسے خدمات عمومی کے نگران ہوتے ہیں بعض مقامات پر طوائفوں کو بھی بلوتہ مقرر تھا۔ سررشتہ مذہبی نے اس اخلاق سوزی کی طرف حکومت کو توجہ دلائی تو محکمۂ مالگزاری نے مجبوراً طوائفوں کا بلوتہ تو بند کر دیا لیکن ساتھ ہی انتقاماً ملاؤں کو بھی بے قصور ان کے قدیم حق سے محروم کر دیا ضرورت ہے کہ سرکار عالی ملاؤں کا بلوتہ فوراً بحال کرے اور پھر ملاؤں کا معیار بلند کرنے کی طرف توجہ کرے۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ حکومت نے کم از کم دو لاکھ روپے سالانہ کی معاشیں جو اہل خدمات شرعیہ کو ملتی تھیں، لاوارثی یا کسی اور عذر سے حالیہ زمانے میں ضبط کر لی ہیں حالانکہ یہ معاشیں خدمات عمومی کی انجام دہی کے لیے قدیم (عہد آصفی سے بھی پہلے) سے آ رہی تھیں نہ کہ شخصی اور خاندانی پرورش کے لیے۔ اس لیے ضبطی کا فیصلہ قابل نظر ثانی ہے۔

مزید برآں صدر الصدور کا عہدہ جو تقریباً ۶ سو سال سے مسلسل دکن میں چلا آ رہا تھا، اور خود حکومت آصفی میں اسے خاص خصوصیت حاصل تھی حکومت نے نہ صرف اسے برخاست کر دیا بلکہ اس کی تنخواہ تک بچت عام میں شریک کر لی۔ ضرورت ہے کہ اسے بحال کیا جائے

اہل خدمات شرعیہ کی مذکورہ ضبط شدہ معاشوں میں (تملیک نہ گنجائش

ہے کہ قاضیوں کو عدالتی فرایض کا ذمہ دار کرنے کے مصارف اس سے پورے کئے جائیں۔ مثلاً مکانِ عدالت، فرنیچر، اہلکار، چپراسی، صادر و غیرہ۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اکثر قاضیوں کو معاشیں مقرر ہیں اس لئے ان کے لیے ماہواروں کا کوئی نیا بار حکومت پر بالکل نہیں پڑے گا۔

ایک اور اصلاح طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت قاضی کے لیے متصدی مقرر ہوتا تھا تو متصدی کی وفات پر متصدی کا حصہ بجائے نئے متصدی کے متوفی متصدی کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوتا رہا ہے جو قطعاً بے اصول ہے۔ موجودہ استفادہ کرنے والوں کو وہ زیادہ سے زیادہ یا حیات ملنا چاہئے اور آیندہ اصل کارکن متصدی کو وہ رقم ملنی چاہئے جس کی مقدار قاضی کی معاش کے ثلث سے کم نہ ہو۔

کام کی مقابلۃً کمی کے باعث یہ انتظام بھی بآسانی ممکن ہے کہ قاضیان صوبہ بجائے ہمیشہ مستقر پر ہی اجلاس کرنے کے مقررہ اوقات میں دورہ کرکے مختلف مقامات صوبہ میں سماعت کریں۔ قضاءت کو ایک قابل تبادلہ خدمت قرار دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

خاتمۂ کلام پر اس اصلاح میں استحکام کے لیے چند چھوٹی انتظامی ضرورتوں کی جانب توجہ دلائی جا سکتی ہے۔ اولاً شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نیز جامعۂ نظامیہ اور اس کی شاخوں میں ضابطہ و آداب القاضی کی تعلیم کا اہتمام اور دوسرے عطیات مذہبی چاہئے معاش اراضی ہوں یا نقدی ان کا تعلق آیندہ بالکلیہ صدارت العالیہ سے ہونا

اس کے بعد توقع ہے کہ مبارک دورِ عثمانی کی شریعت نوازی اور دین پروری کی عمارت کا سنگِ زاویہ نصب ہو جائے گا اور اس بے نظیر اصلاح سے اس مطالبے کی تکمیل ہو جائے گی کہ ہر قوم کے تمدن کی حفاظت حکومت کا فریضہ ہے۔

یقین ہے کہ ملک کا ہر حصہ اور طبقہ اس کی ہر طرح تائید کرے گا!

جامعۂ نظامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد اور اس کی اہمیت

جامعہ نظامیہ کے بظاہر حیات میں تازگی پیدا کرنیکی غرض سے فارغین نظامیہ کی نمایندہ جماعت انجمن طلباء قدیم جامعہ نظامیہ نے ۱۳۴۲ف میں یوم تاسیس کے تقاریب منانے کی تحریک شروع کی اور اس تحریک کو منانے میں جامعہ نظامیہ کی مقبولیت میں روز افزوں زیادتی ہوئی اور ہوتی جارہی ہے اور اب یہ جامعہ اپنے اغراض و مقاصد میں وسعت پذیر ترقی کر رہا ہے مبارک ہے وہ جماعت جسنے اپنی زندگی کے ساتھ جامعہ کی زندگی اور اُسکی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

تقریب یوم تاسیس کے یہ محمود برکات ہیں کہ آج مدرسہ نظامیہ جامعہ نظامیہ سے موسوم کیا جارہا ہے قوم وملت اور سرکاری افراد اس کی جامعی حیثیت کو تسلیم کرتے جا رہے ہیں اور ہر سال جامعہ نظامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد اپنے علمی وقار اور عظمت کے ساتھ منایا جارہا ہے چنانچہ سال حال جامعہ کا جلسہ تقسیم اسناد رفعت مآب نواب صدر اعظم بہادر کی صدارت میں بتاریخ ۳۰ شہریور ۱۳۵۶ف م ۴ شعبان ۱۳۶۶ھ منعقد ہوا جسمیں مولوی محمد عبد القدیر صاحب بدایونی میر مجلس جامعہ کی تقریر کے بعد آنریبل ڈاکٹر نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام عدالت و تعلیمات نے خطبہ اسناد پڑھا اور یہ جلسہ ہر نوعیت سے کامیاب رہا۔ نظامئین، امرا، اور عہدہ داران ملک کے علاوہ معززین اور علم دوست اصحاب بھی شریک رہے۔

اس موقع پر اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جامعہ نظامیہ کے قیام کا اولین مقصد علوم دینیہ عربیہ (بہ نصاب درس نظامیہ) کی اعلیٰ تکمیل ہے اس کے خلاف جامعہ میں کسی اور قسم کی تعلیم نہ ہوسکے گی الحمد للہ ہمارے میر مجلس صاحب جامعہ بھی اس اصول پر پابند نظر آتے ہیں کہ اب تک جامعہ میں فارسی کی تعلیم کا اہتمام مقاصد جامعہ کے خلاف ہونے سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ ادارات قومیہ کے تحت فارسی تعلیم کا اہتمام کیا جارہا ہے اور یہی صحیح نظر آرہا ہے

امیر جامعہ نظامیہ کا خطبہ استقبالیہ مولانا محمد عبد القدیر صاحب بدایونی میر مجلس جامعہ نظامیہ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں جامعہ نظامیہ کی مختصر تاریخ بتلاتے ہوئے ظاہر فرمایا کہ:۔

حضور جلالۃ الملک سلطان العلوم کی توجہات عالیہ نے ہر موقع پر جامعہ نظامیہ کی امداد فرمائی اور خدا کا شکر ہے کہ یہ جامعہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ یہ سنکر آپ حضرات مسرور ہونگے کہ اس سال جامعہ میں جدید نصاب جاری رہا جو سابقہ نصاب سے بہتر تسلیم کیا گیا اور ایک امر کا تذکرہ ناگزیر ہے یعنے فارسی امتحانات کا اجراء اور یہ امتحانات نہایت عمدہ ضبط اور خالص جامعاتی عام اصول پر لئے گئے جن کی عہدہ داران حکومت نے بھی ستایش فرمائی ہے۔ اور حکومت نے ان امتحانات کو باغراض ملازمت تسلیم فرمایا ہے مقام مسرت ہے کہ برادران وطن نے بھی شرکت کی اور بعض نے کامیابی حاصل کی۔

جامعۂ نظامیہ کا جلسۂ تقسیم اسناد

ہز ہائینس جنرل ولی الاشان ڈاکٹر نواب اعظم جاہ بہادر کا پیام

حیدرآباد ۴ر شہریور۔ جامعہ نظامیہ کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو آج سہ پہر دار البلدہ باغ عامہ میں منعقد ہوا۔ ہز ہائینس جنرل والاشان ڈاکٹر نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد دولت آصفیہ کے حسب ذیل پیام کو پڑھ کر سنانے کی عزت حاصل کی گئی: "علوم وفنون اور السنہ کی ہمہ جہتی ترقی حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم کے عہد زرین کا طغرائے امتیاز ہے۔ دو برس کا عرصہ ہوا کہ تقسیم اسناد کے موقعہ پر میں نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ جامعہ نظامیہ کی کوششوں سے حیدرآباد ہی میں فارسی کے امتحانات کا انتظام ہو جائے گا۔ اور یہاں کے طلبہ کو باہر جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ یہ امید پوری ہوئی اور طلبا کی کثیر تعداد نے اس سال فارسی کے امتحانات میں شرکت کی۔ امتحانات کی عام مقبولیت اور تحریک کی نمایاں کامیابی پر ارباب جامعہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہ مکرر کہنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ حالات حاضرہ میں علم و فن کے ہر شعبہ میں اصلاح کی نصاب اور طرز تعلیم دونوں مسائل پر جس قدر زیادہ غور و خوص ہوگا۔ اسی قدر علمی نتائج زیادہ تشفی بخش ہوں گے اور افادیت کے دائرہ میں وسعت ہوگی۔

تقریر صدر اعظم ہز اکسلنسی نواب صاحب چھتاری صدر اعظم دولت آصفیہ نے اس اجتماع کو خطاب فرمایا:۔ حضرات! آج میں دوسری مرتبہ پھر آقائے ولی نعمت سلطان العلوم خسرو دکن و برار خلد اللہ ملکہ و شوکتہ کے منشائے مبارک کے تحت جامعۂ نظامیہ کے اس جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دینے کی غرض سے آپ کے درمیان حاضر ہوا ہوں

مولنا عبدالقدیر صاحب بدایونی نے اپنے خطبہ میں اس ادارہ کی اس سال کی ترقی کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ عہد عثمانی کے ان بے شمار درخشاں کارناموں میں سے ایک ہے جن پر ہم اور آپ سب کو بجا طور پر ناز ہے یہ دور ہمایونی اپنے فیوض و برکات کے اعتبار سے ہر نہج سے بجا طور پر ایک بے مثل و بے نظیر دور کہلایا جا سکتا ہے صنعت و حرفت تجارت وسائل نقل و حمل کی فراوانی فن طب جس میں یونانی اور ڈاکٹری دونوں شامل ہیں غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت سلطان العلوم کی توجہات شاہانہ کا اثر نمایاں نہ ہو ؎

او چہ ا غیبت درین دہر کہ از پرتو آں ؛ ہر کجائی نگرم انجمنے ساختہ اند

لیکن زندگی کے ان تمام شعبوں میں اگر کوئی سررشتہ ایسا ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ وہ حضرت حلیم السیاست کے عہد معدلت مہد میں مملکت کی ہر جہتی ترقی اور اہل ملک کی ذہنی اور دماغی ترقیوں میں اور دوسرے تمام سررشتوں سے زیادہ معین اور مددگار ثابت ہوا ہے تو وہ سررشتہ تعلیم ہے۔ اس حقیقت کو ہمارے آقائے ولی نعمت کی نگاہ دوررس نے اچھی طرح محسوس فرما لیا تھا کہ دولت ہے تو علم ہے اور قوت ہے تو علم ہے اور اس کا حصول ایک ایسا فریضہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکساں لازم ہے۔ چنانچہ یہ اسی طلب کا احساس کامل تھا جس کی بدولت سرکار کی حقیقت شناس نظر نے اس کی ضرورت نہ رکھی کہ لوگ طلب علم کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کریں اور علم کے سرچشمہ کو ان کے اپنے گھروں کی چہار دیواری میں جاری کر دیا تاکہ تشنگان علم اس سے کامل طور پر سیراب کر سکیں۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ شاہ ذیجاہ کے مسند حکومت پر سریر آرا ہونے کے وقت سے اس وقت تک حکومت سرکار عالی کے تعلیمی موازنہ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے اور یقین ہے کہ خدا کے فضل اور بندگان عالی کی شاہانہ دلچسپیوں کے طفیل یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس دولت ابد مدت میں سنہ ۱۳۲۰ف میں جب کہ حضور پرنور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تعلیم پر (۹۲۳۵۸۰) روپیہ صرف ہوتا تھا اور سنہ ۱۳۵۰ف میں بحمد اللہ

ایک کروڑ آٹھ لاکھ سینتیس ہزار چہتر روپیہ صرف ہوا۔ یہ حضرت پیر و مرشد کی فیاضی اور تعلیم سے متعلق گہری دلچسپی کی ایک ادنیٰ دلیل ہے۔ حضرات! مجھے اس کا احساس ہے کہ گزشتہ سال اور دوسرے اداروں کی طرح اس ادارہ کو بھی ایک نہایت سخت اور پرآشوب زمانہ سے گزرنا پڑا اور مالی دشواریوں نے آپ کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ میرے لیے یہ امر موجب طمانیت بھی ہے کہ حکومت سرکار عالی نے بروقت آپ کی دستگیری کی جس کی وجہ سے آپ کو اس کا موقع مل سکا کہ آپ مشکلات پر قابو پاکر اپنے مفید کام کو برابر جاری رکھ سکیں۔ یہ امر کہ آپ کی مفید تعلیمی تحریکات ملک میں مقبول ہو رہی ہیں اور آپ کی خدمات پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جا رہی ہیں آپ کے اور آپ کے ادارہ کے ہمدردوں کے لیے یقیناً حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ لیکن سال رواں میں شاہ ذیجاہ کے زیر سایہ آپ کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہے وہ فارسی امتحانات کی اجرائی ہے جس پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ ان امتحانات کی اجرائی سے آپ نے نہ صرف اس ملک کے طلبا کو صعوبت سفر سے بچا لیا جو انھیں پنجاب میں شریک امتحان ہونے کے باعث پیش آئی تھی بلکہ انھیں ان اقتصادی پریشانیوں کے زمانہ میں مالی نقصان سے بھی بچا لیا جس کا بار انھیں دوران سفر میں ضرورۃً برداشت کرنا پڑتا تھا۔ حکومت سرکار عالی آپ کی خدمات اور آپ کی تحریکات کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے، مجھے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ حکومت کی جانب سے اس ادارہ نظامیہ کے امتحانوں کو ملازمت کی غرض سے کسی حجت یا تاخیر کے بغیر تسلیم کر لیا جانا آپ کی خدمات کے اعتراف کی بین دلیل ہے اور مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ:۔

جامعہ نظامیہ کے قیام کا مقصد

بانی جامعہ کے رحلت کے بعد جلالت مآب شاہ دکن و برار خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کا حسب ذیل ارشاد اقدس شرف صدور لایا کہ!

ا۔ مدرسہ نظامیہ میں اہل سنت والجماعت کے طریقے پر علوم عربیہ دینیہ کی اعلیٰ تعلیم دی جائیگی اور اس کے خلاف کسی دوسرے طریقے پر دینا اصول مدرسہ اور ارادہ بانی کے خلاف ہوگا

> لہٰذا کسی وقت اس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکیگا۔ و نیز اس مدرسہ کے ارکان انتظامی مدرسین
> اور جملہ کارپرداز سنی حنفی طریقے کے پابند ہوں مجلس میں دو ثلث علما کا ہونا لازمی ہے:
> اقتباس از فرمان مبارک مترشحہ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ

اس ادارہ میں ان امتحانات کے دروازے ہر طالب علم کے لیے بلا تفریق مذہب و ملت یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں میں نے دوسرے مقامات پر بارہا یہ عرض کیا ہے اور آپ کے سامنے بھی اس خیال کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ فرقہ وارانہ اختلافات سے ہندوستان کو شدید نقصان پہنچا ہے اور پھر حیدرآباد کے لیئے تو اس سے زیادہ مضرت رساں اور کوئی چیز نہیں۔ شاہان آصفیہ کی رواداری ہندوستان میں ضرب المثل ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ کا ادارہ اس مسلک پر :-

فرمان مبارک

> مدرسہ نظامیہ میں سوائے تعلیم طریقہ نظامیہ دوسرے علوم و فنون کی تعلیم نہیں ہو سکے گی۔
>
> جریدہ اعلامیہ ۲۸ بہمن ۱۳۱۰ف و دستخطی
> نقلی معروضہ مولانا فضیلت جنگ

قائم اور ان شاندار روایات کا احترام کرنے کی برابر کوشش کرتا رہے گا تاکہ ملک کی بیش از بیش خدمات انجام دی جاسکیں۔ ملک کی تعلیمی ضروریات کے پورا کرنے کے سلسلے میں غالباً میرا اس موقعہ پر یہ مشورہ بے محل نہ ہوگا کہ آپ اپنی تعلیم اور امتحانات کے معیار سے غافل نہ رہیں اور اسے بلند رکھنے میں کبھی کوتاہی نہ کریں۔ جامعہ عثمانیہ نے تعلیمی اغراض کے لیے آپ کے امتحانات کو ہنوز تسلیم نہیں کیا ہے اس کی وجہ یقیناً یہی ہے کہ

وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ، اپنے ہاں تعلیم کا معیار کیا رکھتے ہیں آپ کو یہ حقیقت فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ آپ اس وقت ایک ایسی دنیا میں سانس لے رہے ہیں جو مسابقت اور مقابلہ آرائی کا میدان بنی ہوئی ہے اور جہاں نہیں ظاہری شکوہ اور نمائش کا نہیں بلکہ قدم قدم پر ٹھوس حقیقت اور بے اندازہ قوتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج معرکۂ حیات میں بقا صرف ان کے لیے مختص کر دی گئی ہے جو اس کے اہل ہیں، غیر اہل خواہ وہ افراد ہوں یا جماعتیں ان کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے آپ کی جانب سے تعلیم اور امتحان کے معیار میں پستی کا اظہار طلبہ کے لیے مفید نہیں بلکہ انجام کار مضرت کا باعث ثابت ہوگا۔ آج دنیا میں، تعلیم میں، محض کسی چھپے ہوئے کاغذ پر سند پالینا کافی نہیں۔ آپ کے طلبہ کو ٹھوس قابلیت کے اسلحہ سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے تاکہ وہ درسگاہ سے باہر نکلنے کے بعد بھی اس مقابلے کی دنیا میں کامیاب ثابت ہو سکیں۔ حضرات! پچھلے سال اپنے خطبۂ صدارت میں، میں نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ اس ادارہ سے ایسے لوگ پیدا کریں جو اسلام کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور اسے یہ بتا سکیں کہ تنہا عبادات ہی کی حد تک نہیں بلکہ اسلام نے زندگی کا ایک ایسا مکمل نظام اس کے سامنے پیش کیا ہے کہ اگر اس ضابطہ پر عمل کیا جائے تو اس کے بعد پھر کسی دوسرے پروگرام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس خطبے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلے میں، میں نے مختصراً چند ان احکامات کی جانب اشارہ کیا تھا جو خدا، رسول اور بادشاہ کی اطاعت سے متعلق ہیں اور جنہیں ماں باپ اولاد اور زن و شوہر کے تعلقات سے بحث کی گئی ہے آج اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے میں آپ کی توجہ کلام پاک کی ان چند آیات کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جن میں حسن اخلاق اور صحیح کردار کی تعمیر کے لیے باہمی تعلقات کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے ان آیات سے میری مراد سورۂ حجرات کی وہ آیتیں ہیں جو انما المومنون اخوۃ سے شروع ہوتی ہیں اور جن کے ذریعہ ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم دنیا میں بھائیوں کی طرح رہیں اور فاصلحوا بین اخویکم پر عمل کریں تاکہ دنیا کو شر اور

فساد سے پاک کیا جا سکے اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ یا ایہا الذین آمنو لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ج ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم انفرادی اور جماعتی دونوں حیثیت سے لوگوں کا استہزا کرتے ہیں اور ان پر آوازے کستے ہیں حالانکہ کلام مجید میں ان کی صاف اور صریح ممانعت آئی ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا استہزا نہ کریں اس لیے کہ ممکن ہے " وہ تم سے اچھے ہوں جن کا تم استہزا کرتے ہو" اسی طرح تضحک آمیز طریقہ پر لوگوں کے نام رکھنے اور انھیں تمسخر آمیز ناموں سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم سے ایک ایسے فعل کا جس کی نص قطعی کے ذریعے ممانعت آئی ہے) روزانہ ارتکاب ہوتا ہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم نے کوئی گناہ کیا ہے اس کے بعد لیکن اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے " یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ ط واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم ہ ہم اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر ذرا یہ سوچیں کہ کیا ہم اکثر ایسی بدگمانیاں نہیں کرتے" اگر دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہوں تو کیا ہم اکثر یہ نہیں سمجھنے لگتے کہ یہ ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے اگر دو آدمیوں میں دوستانہ ارتباط ہو تو کیا ہم یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ اس میں کوئی گہری چال ہے فقط

نواب مہدی یار جنگ بہادر کا خطبہ

۳۱ شہریور۔ کل جامعہ نظامیہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات نے حسب ذیل خطبہ تقسیم اسناد ارشاد فرمایا۔

عالیجناب نواب سر صدر اعظم بہادر و معزز حاضرین تعلیمگاہ نظامیہ جس کے کامیاب طلبہ کو آج جناب والا اسناد تقسیم فرما رہے ہیں، یہ حیدرآباد کا ایک قدیم اور ممتاز ادارہ ہے اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ یہ براہ راست اعلیحضرت جلالت الملک شہریار دکن

خلد اللہ ملکہ کی توجہات عالیہ سے سرفراز ہوتا ہے اور ہدایت حاصل کرتا ہے یہ ایک ایسا شرف ہے جو کسی ادارہ کو حاصل نہیں ہے چنانچہ اس کی مجلس انتظامی کے ارکان بھی بارگاہ خسروی سے مقرر فرمائے جاتے ہیں اور اس کی عمارت بھی صرف خاص مبارک سے مہیا کی گئی ہے۔

اس ادارہ کی تاسیس اور اس کی ترقی کی تاریخ اگرچہ دلچسپ ہے تاہم تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اس کے سب سے بڑے محسن حضرت مولانا انوار اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ المخاطب بہ نواب فضیلت جنگ بہادر تھے جنھوں نے اس کی تنظیم اور ترقی میں سعی بلیغ فرمائی۔ نواب فضیلت جنگ بہادر (علیہ الرحمہ)

فرمان مبارک

مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی ہوئی ایک عالم و فاضل کی ہے جس نے اپنی تمام عمر عبادت میں صرف کی اور دنیاوی معاملات سے احتراز کیا یعنے مولانا انوار اللہ صاحب فضیلت جنگ مرحوم و مغفور ان کا ارادہ تھا کہ اس مدرسہ میں صرف دینیات کی تعلیم دی جائے اور دوسری قسم کی تعلیم سے اس کو تعلق نہ رہے چنانچہ مولوی صاحب مرحوم و مغفور نے اکثر مجھ سے بالمشافہ یہی کہا تھا۔ چونکہ یہ مدرسہ خاص ان کا ایجاد کردہ ہے اور ان کے بعد ان کی یادگار ہے۔

لہذا مجھے ضروری ہے کہ اس کے بقاد بہبودی کی طرف متوجہ ہوں الخ

فرمان مبارک مترشحہ ۲۲ ربیع الاول سنہ

ایک مقدس اور ذی علم بزرگ تھے جو اس مملکت کے عہدہ صدر الصدور پر فائز تھے۔ ان کو جلالت مآب فرمانروائے دکن کی اتالیقی کا شرف بھی حاصل تھا جو اس مدرسہ کی مجلس انتظامی کے صدر تھے اور انھوں نے اس تعلیم گاہ میں علوم و فنون عربیہ کی

باقاعدہ درس وتدریس کا انتظام کیا۔ اس کی بنیادیں مستحکم کیں غرضکہ مدرسہ کو خوب فروغ ہوا لیکن حضرت ممدوح کے بعد مدرسہ میں کسی قدر انحطاط پیدا ہوا اکثر لوگ کسب معاش کی خاطر علم حاصل کرتے ہیں۔ علوم مشرقیہ چونکہ موجودہ زمانہ میں ذریعہ معاش نہیں رہے اس لیے ان کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہو گیا۔ علی ہذا یہاں کا نظم و ضبط کمزور ہو گیا۔ اور امتحانوں کا معیار اتنا پست سمجھا جانے لگا کہ درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد جو اشخاص سررشتہ تعلیمات کی ملازمت میں شریک ہوتے تھے ان کو ان لوگوں کے مقابل جنھوں نے بعض دیگر تعلیم گاہوں سے مماثل امتحان پاس کئے تھے ایک گریڈ کم دیا جاتا تھا یعنی اس کی اسناد کو کم وقعت دی جاتی تھی۔ تعلیم گاہ نظامیہ کی مجلس انتظامی نے بارہا تحریکیں کیں کہ ہماری اسناد کو دوسری جامعات کے اسناد کے برابر مانا جائے لیکن وہ تحریکیں اس سبب سے بارآور نہیں ہوئیں کہ اس وقت سررشتہ تعلیمات کو تعلیم گاہ نظامیہ کے امتحانوں کے معیار کی نسبت اطمینان نہیں تھا۔ یہ مسئلہ ابھی زیر بحث تھا کہ اس اثنا میں اعلیحضرت سلطان العلوم شہریار دکن نے مولانا محمد عبد القدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ کو تعلیم گاہ نظامیہ کی مجلس انتظامی کا صدر مقرر فرمایا۔

مفتی صاحب موصوف کو تعلیمی کاموں سے دلچسپی ہے۔ وہ خود بدایون میں ایک مدرسہ چلاتے ہیں جو "مدرسہ قادریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے تعلیم گاہ نظامیہ کی تنقیح کے بعد یہ رائے قائم کی کہ واقعی یہاں امتحانات کا معیار کافی بلند نہیں ہے۔ اور سررشتہ تعلیمات کا عذر بجا ہے اس رائے کو انھوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ ظاہر کیا لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے اس بات کا ذمہ لیا کہ اگر ان کو تھوڑی سی مہلت دی جائے تو وہ تعلیم گاہ نظامیہ میں ضروری اصلاحات کر کے اس کے امتحانوں کے معیار کو بڑھانے کی کوشش کریں گے اس پر انھیں مشورہ دیا گیا کہ جب خود ان کو معیار کی بابت اطمینان ہو جائے تو اس وقت وہ نظامیہ کے امتحانوں کو سرکار سے بدرجۂ مساوات تسلیم کرانے کی تحریک کو تازہ کر سکتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ مفتی صاحب موصوف

کی کوششوں سے تعلیم گاہ نظامیہ کی جدید تنظیم عمل میں آئی اس کی کارکردگی میں اضافہ ہوا اور بالآخر سررشتہ تعلیمات نے اپنا پورا اطمینان کرنے کے بعد اس کی اسناد کو تسلیم کرلیا۔ اور اس کے کامیاب شدہ اشخاص کو ملازمت میں ایک گریڈ کم دینے کا قصہ باقی نہیں رہا۔ اب تک تو اس ادارہ کو زیادہ تر عربی سے تعلق تھا اب مفتی صاحب نے فارسی کی طرف توجہ کی۔ منشی سے لے کر منشی فاضل تک کے امتحانات قائم کیے جن میں الحمد اللہ اس سال بہت سے طلبہ شریک اور کامیاب ہوئے ہیں۔ سررشتہ تعلیمات نے ایک کمیٹی مقرر کی جس میں جامعۂ عثمانیہ اور سررشتہ تعلیمات کے نمایندے شریک تھے۔ اس کمیٹی کی سفارش پر سرکار عالی نے نظامیہ کے فارسی امتحانوں کو بھی تسلیم کرلیا اور اس طرح فارسی کی بابت بھی مفتی صاحب موصوف کی مساعی کامیاب ہوئیں۔

اور جب تک مدرسہ دارالعلوم قائم تھا وہاں کے پڑھے ہوئے طلباء عربی اور فارسی کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی میں دیتے تھے ان امتحانوں کا حیدرآباد بھی ایک مرکز تھا جب دارالعلوم برخاست کرکے جامعہ عثمانیہ میں ضم کردیا گیا اور اس کے بدلے اس نام کا ایک مدرسہ فوقانیہ جاری ہوگیا تو طلباء علوم مشرقیہ کی اسناد پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کرنا چاہتے تھے وہ یہاں سے لاہور جاکر وہاں خانگی طور سے امتحانوں میں شریک ہونے لگے۔ ....

....

....

.... ۔ ان کو ایسا کرنے کی ترغیب اس لیے اور بھی زیادہ ہوتی تھی کہ ایک زمانے سے پنجاب یونیورسٹی کی اسناد علوم مشرقیہ حیدرآباد میں ملازمت کی اغراض کے لیے تسلیم کی جا رہی ہیں۔ مگر یہ طریق عمل اصولاً درست نہیں ہے کیونکہ جب خود ہمارے شہر میں نظامیہ جیسی تعلیم گاہ موجود ہے جس کی عربی اور فارسی کی اسناد کو ہماری گورنمنٹ نے ملازمت کے لیے قبول کرلیا ہے تو اب پنجاب کی مشرقی ڈگریوں کو مسلمہ قرار دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خصوصاً جب کہ پنجاب یونیورسٹی ہماری جامعۂ عثمانیہ

کی کسی ڈگری کو بھی تسلیم نہیں کرتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں بھی مشرقی طیلسان مثلاً مولوی فاضل منشی فاضل وغیرہ کا امتحان مقرر ہونا مناسب ہے۔ لیکن میری رائے میں جب کہ تعلیم گاہ نظامیہ بمنزلہ ایک جامعہ کے ہو گئی ہے اس معنی میں کہ وہ علمی اسناد عطا کرتی ہے جو سرکار سے تسلیم کی گئی ہیں تو ایسی حالت میں انھیں امتحانات اور اسناد کا جامعہ عثمانیہ میں بھی قایم کرنا تحصیل حاصل ہے مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ

انجمن طلبۂ قدیم جامعہ نظامیہ کی اہمیت

مدرسہ نظامیہ کے خادم کی حیثیت سے مجھے انجمن طلبہ قدیم مدرسہ نظامیہ کے کارناموں اور خدمات سے واقف ہونے کا اچھا خاصا موقع حاصل رہا ہے مدرسہ کی فلاح وبہبودی کے لیے جو کچھ انجمن نے کیا ہے یا کر رہی ہے اس کو میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

عالیجناب نواب فخر یار جنگ بہادر
سابق امیر جامعہ نظامیہ

نظامیہ کے قدیم طلبا کی بھی ایک انجمن موجود ہے۔ حیدرآباد کے بہت سے معزز لوگ اس تعلیم گاہ کے قدیم طالب علم ہیں۔ اگر وہ اپنی مادر جامعہ سے دلچسپی لیں اور دامے درمے اس کی امداد و اعانت کریں تو اس قسم کی انجمن اپنے آپ کو بہت مفید بنا سکتی ہے!

انتظامی امور میں تحت دستور اور قواعد وضوابط کے حدود میں انتظامی تعاون بھی ممکن ہے۔ البتہ خدانخواستہ مداخلت کی صورت پیدا نہ ہونی چاہئے۔ کہ وہ ضبط و نظم کے منافی ہے۔ حضرات میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کسب معاش کے لیے چونکہ اب علوم شرقیہ اتنے کارآمد نہیں ہیں جتنے وہ سابق کے زمانہ میں تھے اس لیے ان کی طرف لوگ مائل نہیں ہوتے ہیں لیکن محض لوگوں کا میلان کسی چیز کی خوبی یا خرابی کا صحیح معیار نہیں ہو سکتا۔

یہ علوم ہماری ایک قیمتی میراث ہیں اور وہ لوگ ناعاقبت اندیش ہیں جو اپنے آپ کو اس بیش بہا ورثہ سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس توریث کی قیمت کا اندازہ روپیہ پیسہ تنخواہ اور منصب وجاہ سے نہیں ہو سکتا کہ یہ بالکل انمول چیز ہے۔ اس کے ساتھ لطف یہ ہے کہ اس نعمت کے حاصل کرنے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ صرف شوق اور معمولی محنت درکار ہے۔ اس وقت سوال کسب معاش کا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ ہماری بقا اور فنا کا سوال ہے۔ اگر ہم اپنا مذہب اپنی تہذیب اپنا تمدن اور اپنی روایات کو زندہ رکھیں تو ہم باقی رہیں گے۔ ورنہ فنا ہو جائینگے کہ یہ ایک قانون قدرت ہے

قوموں کی بقا کے لیے صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ تندرستی جسمانی قویٰ کی مضبوطی اور سپہ گری کی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے طلبا کے لیے کھیلوں اور ورزش جسمانی کی سہولتیں ہر ایک تعلیم گاہ میں فراہم کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہماری جتنی مذہبی اور اخلاقی تعلیم ہے وہ قرآن مجید، احادیث نبوی، اور بزرگان دین کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ جو عربی زبان میں ہیں علی ہذا ہمارا مشرقی تمدن، تہذیب و ثقافت یہ سب چیزیں فارسی زبان سے وابستہ ہیں۔ انسان ضرور ایسے علوم وفنون سیکھے جو کسب معاش کے لیے ناگزیر ہیں مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ اپنے قدیم اخلاق اور تہذیب و تمدن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور توحید جو ہمارا سب سے بڑا اور سب سے مضبوط ورثہ ہے اور جس کی تعلیم قرآن مجید سے بہتر کہیں نہیں دی گئی ہے انکو ترک کر کے معمولی دنیاوی قوتوں کا مرعوب بن جائے جو لوگ کہ خدا کی بندگی نہیں کرتے ان کو ہر کس و ناکس کا بندہ بننا پڑتا ہے۔

پس توحید کی تعلیم اور دوسری بیش بہا اخلاقی تعلیم جو قرآن مجید کے اندر ہے اس کو آپ حاصل کریں تاکہ آپ ایسے انسان بنیں جس کو روئے زمین پر خدا کا خلیفہ قرار دیا گیا ہے نہ ایسے انسان جو روئے زمین پر سنگ و مایعنے خونریزی کرے اور فساد برپا کرے

انسان میں بڑی چیز اس کی سیرت اور کردار ہے اور تعلیم کا سب سے بڑا نصب العین پاکیزہ سیرت اور نیک کردار انسانوں کا پیدا کرنا ہے۔ ورنہ کھانا پینا اور افزائش نسل یہ تو جانور بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے قدیم زمانہ میں اسلامی ممالک میں مدرسوں میں اساتذہ کی سیرت اور کردار کا بڑا لحاظ رکھا تھا تاکہ طلبا نہ فقط ان کے درس سے بلکہ ان کی صحبت سے بھی مستفید ہوں اور کوئی استاد ایسا نہیں مقرر کیا جاتا تھا جس کے کردار کی عام شہرت اچھی نہ ہو

ابتدائے اسلام سے ہر عہد میں تعلیم مفت تھی حتیٰ کہ جو درس دیتے تھے وہ بھی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ کوئی تنخواہ لیتا تو بدنام ہو جاتا۔ ابن جوزی نے منتظم میں ایک بزرگ کا تذکرہ کیا ہے کہ قاضی کی عدالت میں شہادت دینے کو آئے مگر قاضی نے ان کی شہادت مردود قرار دی کہ جو تعلیم کا معاوضہ لیتا ہو اس کے کردار پر کیا وثوق۔ اس زمانے میں قوم اپنی تعلیم کا آپ انتظام کرتی تھی۔ حکومت کی نگرانی اس پر کبھی نہ ہوئی اور نہ مصالح حکومت سے کبھی تعلیم متاثر ہو سکی۔ خود حکومت کی جانب سے جو تعلیم گاہیں قایم ہوئیں ان کا نظم ونسق بھی علمائے قوم ہی کے ہاتھ میں تھا۔ وزارت نے "نظامیہ" اور خلافت نے "مستنصریہ" کی مشہور آفاق تاریخی تعلیم گاہیں قایم کیں مگر بجز اس کے کہ مصارف کی کفالت کریں انتظام واہتمام میں کوئی دخل نہ رکھا۔ نصاب تعلیم سیاست کے اثر سے بالکل آزاد تھا لیکن تنظیم ایسی تھی کہ ایک جانب حکومت کو جیسے کارگزاروں کی ضرورت ہو وہ سب یہی مدارس فراہم کریں اور دوسری جانب قوم کو اپنی قومیت کی بنیاد استوار کرنے کے لیے جیسے افراد درکار ہوں یہیں سے ان سب کی بھی سربراہی ہو سکے۔ دکاندار خرید و فروخت کرتے۔ سرمایہ دار تجارت کو رونق دیتے اہل حرفت اپنے اپنے پیشہ میں لگے رہتے۔ اطبا مخلوق کی چارہ گری میں راغب اصلاح نفوس میں مشایخ تزکیہ باطن میں محققین اسرار قدرت کی پردہ کشائی میں سرکاری عہدہ دار و اہلکار اپنے اپنے فرائض میں سرگرم رہا کرتے۔ اس پوری جماعت کا سرچشمہ وہی مدارس تھے جہاں سب کے مناسب حال جدا جدا تعلیم کا انتظام تھا کہ بقدر ضرورت و استعداد سب

فیضیاب ہوسکیں۔

ملک داری و ملک گیری کی تعلیم سے بھی نصاب درس خالی نہ تھا۔ اسلامی و اقوامی و اقلیتی سیاست پر بھی طلباء عبور حاصل کرتے اور اس درجہ کمال کو پہنچتے کہ بڑی بڑی خدمات انجام دیتے مثلاً ان ہی کے ایک رکن رکین کو خلافت عباسیہ کی سفارت تفویض ہوئی اور وہ دو مرتبہ بغداد سے سفیر بنا کے ہندوستان بھیجے گئے۔

خاص خاص اصناف تعلیم کے علاوہ ابتدائی تعلیم سب میں مشترک تھی یعنی کلام اللہ روزمرہ کے ضروری مسائل اسلام و سیرت پیغمبر اسلام عربی یا فارسی ادب حساب و ریاضی و طریق کارشناسی و کارگزاری اتنی تعلیم سب پر لازم تھی۔ کوئی معذور ہوتا تو البتہ مجبور رہوتا۔ اس کو واجبی تعلیم کہتے جس کے نام ہی سے نشان ملتا ہے کہ ہر مسلمان مکلف لڑکے پر تعلیم واجب تھی

ہر شے کی ترقی کسی نہ کسی وجہ ترغیب سے وابستہ ہے۔ قدیم زمانے میں مشرقی تعلیم کو اگر حیرت انگیز ترقی ہوئی تو حیرت انگیز وجہ تشویش و ترغیب بھی موجود تھی سلطان محمد شاہ تغلق کو جب شیخ عضدالدین کے فضل و کمال کا علم ہوا تو اس نے شیخ کو ہندوستان لانے کے لیے ایک علمی سفارت بھیجی جس کے صدر شیخ معین الدین عمرانی تھے۔ سلطان ابو اسحاق کو جب اطلاع ہوئی تو دوڑا ہوا شیخ عضدالدین کے پاس آیا کہ تمام سلطنت فارس آپ کی نذر ہے۔ یہاں سے نہ جائیے۔ موجودہ زمانے میں جب کہ کوئی وجہ ترغیب نہیں قدیم مشرقی تعلیم کا برائے نام وجود ہی اگر باقی رہ جائے تو غنیمت ہے۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد جہاں علامہ سید علی شوستری اور شیخ ابوبکر بن شہاب جیسے عربی علوم کے دریا موجود تھے اور یہ شہر جو عربی اور فارسی کا مرکز تھا وہاں اب علماء کا قحط ہے بعض اردو پڑھے ہوئے لوگ جو خاک نہیں جانتے "مولوی" سمجھے جاتے ہیں۔ جو عربی علوم کے واقعی طالب ہیں وہ بیٹھ کر تحصیل علم کرتے ہیں اور ان کی تنگی سے گزر ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ تعلیم گاہ ہمارے آبائی علوم کا احیاء اور ان کی اشاعت کا سامان کر کے اہل ملک کی گراں قدر خدمت کر رہی ہے بڑی ضرورت

ترغیب و تشویق کی ہے۔ میری رائے میں عربی و فارسی کے لیے متعدد وظائف تعلیمی مقرر ہوں تو مناسب ہے۔ اس کے سوا سرکار عالی اپنی امداد میں معقول اضافہ کرے اور باستطاعت حضرات کو بھی لازم ہے کہ وہ اس ادارہ کی مالی امداد کر کے اپنی قوم کی حقیقی خدمت بجا لائیں جن سرکاری ملازمتوں میں انگریزی دانی کی ضرورت نہ ہو ان میں مولوی فاضل اور منشی فاضل کی سند رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے۔ بہر حال اس تعلیم گاہ کی اور اس کے طیلسانین کی ہمت افزائی ہر طرح سے ضرور اور واجب ہے تعلیم گاہ کی مجلس انتظامی نے فارسی کے امتحانات تو مقرر کیے ہیں مگر تعلیم گاہ کے اندر فارسی کا درس دینے کا کوئی انتظام ابھی تک نہیں ہے چونکہ فارسی کا صرف امتحان لینا کافی نہیں ہے بلکہ تدریس بھی ضروری ہے اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ تعلیم گاہ جامعہ نظامیہ میں عربی کے ساتھ ساتھ فارسی کی بھی تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر بہت جلد کیا جائے گا آخر میں میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ اس کے اساتذہ اور منتظمین کو توفیق نیک عطا کرے اور اعلیٰحضرت سلطان العلوم تاجدار دکن کو جن کی توجہات عالیہ سے ان کے ملک میں علم کی روشنی پھیل رہی ہے اور شہزادگان بلند اقبال و شاہزادیاں فرخ فال کو سلامت باکرامت رکھے۔

"آمین دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

محمد عمر تاجر ادویۂ یونانی
متصل مکہ مسجد روبروے صدر دواخانہ یونانی حیدرآباد دکن

ہماری دکان میں ہر قسم کے ادویات مفردات اور مرکبات اور شربت ہائے صاف عرقیات تازہ مربہ جات و جواہر مشک خالص عنبر خالص زعفران اصلی روغن بادام خالص عرق بید مشک لاہوری و جند بید ستر لبوب کبیر جواہر دار دواء المسک جواہر دار خمیرہ مروارید جواہر دار مفرح یاقوتی جواہر دار وغیرہ بقیمت واجبی قابل اطمینان ملتے ہیں اور اضلاع کے فرمائشات بذریعہ وی۔پی روانہ کیے جاسکتے ہیں شہد خالص و روغن بادام کا خاص انتظام ہے۔

جامعہ نظامیہ کا نظامِ تعلیم
اور
اس کا بلند نصب العین

از افادات سراپا برکات حقایق آگاہ عارف باللہ حجۃ الاسلام مولانا فضیلت جنگ نور اللہ مرقدہٗ

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہر دین چند عقائد اور اعمال کا نام ہے جن کی وجہ سے وہ دوسرے ادیان سے ممتاز ہوتا ہے اگر وہ چند ضروری عقائد کسی آدمی میں نہ پائے جائیں تو وہ اس دین کا آدمی نہ سمجھا جائے گا مثلاً یہود خدا اور ان تمام انبیاء کے قائل ہیں جن کو نصاریٰ مانتے ہیں مگر صرف عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننے سے وہ نصاریٰ نہیں ہو سکتے اسی طرح اور ادیان کا حال ہے اور ہر دین والے کا طبعی مقتضیٰ ہے کہ اپنا دین باقی رہے بلکہ خود دین میں اس کے ابقاء اور اشاعت کی ترغیب ہوا کرتی ہے اسی وجہ سے ہر مذہب والا اپنے مذہب کے معاملے میں اپنی جان کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھتا اور مالی تائید جس قدر اس کے باقی رکھنے میں دیتا ہے اس کو باعث افتخار اور نجات سمجھتا ہے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ پادری دین عیسائی باقی رکھنے اور شائع کرنے میں کس قدر ساعی ہیں اور قوم کی طرف سے ان کی کیسی مالی تائیدیں ہوتی رہتی ہیں پوپ جو دینی صیغے کا افسر سمجھا جاتا ہے بجائے خود گویا ایک مستقل بادشاہ ہے جس کو قومی اعانتوں کی وجہ سے مالی ضرورتوں میں سلطنت کی طرف کوئی احتیاج نہیں، پادری جو دین عیسوی کے علماء ہیں اپنے اقتدار سے کروڑہا روپیہ مدرسہ کی بنیاد اور دینی علوم کی اشاعت میں صرف کر دیتے ہیں باوجودیکہ قوم نہایت مہذب سمجھی جاتی ہے ان سے کچھ پوچھ نہیں سکتی کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان پرانے خیالات کا شائع کرنا مانع ترقی قوم ہے اور ان کی قوم میں وہ عزت ہے جو دوسرے کو نصیب نہیں جہاں چاہتے ہیں آزادانہ چلے جاتے ہیں اور ہر جگہ مہمان بنے رہتے ہیں اسی طرح ہندوؤں میں برہمن اور آچاریوں کی جو قدر و منزلت ہے وہ پوشیدہ نہیں الحاصل کل مہذب اور غیر مہذب اقوام اپنے دین کے علوم اور اس کے جاننے والے علماء کو ایک نہایت وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے علوم کی اشاعت میں جان مال سے ساعی رہتے ہیں!

افسوس ہے ان حضرات پر جن کو اعلیٰ درجے کی تہذیب کا دعویٰ ہے اور اپنا نام مسلمانوں میں لکھوا لیے بھی ہیں مگر علوم اسلامیہ سے ان کو دل تنگی اور علماء سے کمال درجے کی نفرت ہے ان کا خیال ہے کہ دین کی ترقی میں دنیا کا تنزل اور دینی اعتقاد مانع ترقی قوم ہے حالانکہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ دنیوی روز افزوں ترقیاں اسی وقت تک تھیں کہ دینی عقائد و اعمال راسخ تھے ان حضرات کو اگر اسلام سے کوئی تعلق اور دلچسپی ہوتی تو مثل اور دین والوں کے علوم اسلامیہ کی اشاعت میں بھی سعی کرتے مگر اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ علوم غربیہ کی تعلیم سے لوگوں کو

نفرت دلاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عربی پڑھنے والوں کو سوائے بھیک مانگنے کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا جس سے طلبہ کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور تائید کرنے والوں کو ندامت ہوتی ہے ان حضرات کے اس قسم کے اعتراض سے یہ مطلب ہوا کہ کل قوم انگریزی تعلیم پائے اور یہ ہو نہیں سکتا اس لیے کہ اگر کل قوم ایک ہی کام کی طرف متوجہ ہوں تو تمدن سے جو مقصود ہے یعنی ہر ضرورت قومی کی طرف ایک جماعت متوجہ ہو کر پوری قوم اپنی مختلف ضرورتوں کو آپ ہی پوری کر لے فوت ہو جائے گا اسی لیے ابتدائے دنیا سے اب تک قوم کے متعدد اشخاص مختلف کاروبار اور مشاغل میں مصروف رہتے ہیں تعلیم یافتہ اصحاب کے ساتھ صناع۔ کسان اہل حرفہ سپاہ پیشہ غرض بیسوں قسم کے اصحاب ہیں جن کی اجتماعی اور انفرادی مساعی سے قومی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اسی طرح بعض افراد بھی ہیں جو اس طرف متوجہ ہو کر علوم دینیہ میں تفقہ اور کمال حاصل کر کے قوم کو خدا کے احکام پہنچانے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے سے جو مقصود ہے وہ ہر وقت پورا ہوتا ہے ۔

مدارس دینیہ کا قیام اور اس کا وسیع حلقہ اثر

علماء کا مطلب مدارس دینیہ کے قیام سے یہ نہیں ہے کہ کل ملک میں مدارس دینیہ ہی ہوں بلکہ مقصود اصلی یہ ہے کہ ملک میں چند مدارس علوم دینیہ کے بھی ہوں جن میں خالص دین اور علوم عربیہ ہی کی تعلیم ہوا کرے اور باقی مدارس میں علوم دنیوی اور صنعت و حرفت میں ترقی ہو۔ جس سے قوم کو ذرائع معاش حاصل ہوں اور مقتضائے تمدن بھی یہی ہے کہ دینی مدارس کے تعلیم یافتہ حضرات اپنے بہا علم سے ان کو دینی مدد دیں اور وہ ان کو اپنے نتائج تعلیم سے دنیوی مدد کریں اور اخوۃ اسلامی باہم مرعی رہے اسی بنیاد پر اتنے بڑے ملک ہندوستان میں جہاں چار کروڑ[1] مسلمان بستے ہیں دس بیس مدارس ہیں جہاں پر معدودے چند طلبہ تعلیم پاتے ہیں جو کسی طرح بھی کروڑہا مسلمانوں کو دینی احکام پہنچانے کے لیے کافی نہیں ہو سکتے اس لیے ضرورت اس امر کی رہے کہ مدارس دینیہ میں معتدبہ تعداد مسلمان لڑکوں کی شریک ہوا کرے تاکہ یہ اپنے علم اور عمل کے ذریعے سے احکام اسلام کے پہنچانے میں عامۃ المسلمین کی رہبری کر سکے

نصاب نظامیہ کی اہمیت

اس مدرسہ کا نصاب تعلیم بھی وہی ہے جس کو مولانا نظام الدین صاحب لکھنوی نے جاری فرمایا تھا جس کے فیوض اور برکات سے صدہا

---

[1] سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں برما چھوڑ کر باقی ہندوستان ہی میں الحمد اللہ دس کروڑ مسلمان ہیں۔ (مدیر)

نامی و گرامی علماء نکلے جو شہرۂ آفاق ہیں اس نصاب میں ایک عمدہ فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے طالب علم کو ملکۂ جامعیت علمی حاصل ہو جاتا ہے اسی لیے یہ مدرسہ خاص اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ اس میں صرف وہ علوم پڑھائے جائیں جن کو علماء نے پڑھکر قوم کے مقتدا ہونے کا افتخار اور بقاء دین کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اسی لحاظ سے مدرسہ نظامیہ میں درس نظامیہ کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کی مقبولیت کا یہ محمود نتیجہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ کے جلسہ تقسیم اسناد کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور کل اسناد اس غرض سے طلب فرما رہے ہیں کہ خود بھی ان کو اپنے دستخط خاص سے مزین فرما دیں جن حضرات کے نزدیک اس قسم کے خوابوں کی وقعت ہے وہ خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ نصاب کس قدر قابل قدر رہے!

تحصیل علوم دینیہ اور ذریعہ معاش

ہند اور دکن کے مدارس دینوی میں آج ہزارہا روپیہ صرف کیا جارہا ہے اور اور ہر سال ایک کثیر تعداد علم سے فارغ ہو کر نکل رہی ہے لیکن ان تمام کو سرکاری خدمات نہیں مل رہے ہیں ان میں سے بہت سے بیکار تلاش روزگار میں در بدر پھرتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں تو ایسی صورت میں علوم دینیہ کی تحصیل کو ذریعۂ معاش بنانا یا مدارس دینیہ میں دنیا طلبی کے مبتذل سبب کو جزء قرار دینا جس سے ثواب بھی فوت ہو جائے اور دنیا بھی حاصل نہ ہو کیونکر قرین صواب ہو سکتا ہے جس علم کی تحصیل لوجہ اللہ ہوتی ہے وہاں ذریعہ معاش کی بحث ہی باقی نہیں رہتی اسلیئے

"مدرسہ نظامیہ میں دوسرے السنۂ اجنبی و علوم دنیوی بالتخصیص شریک نہیں ہوسکتے کیونکہ مدرسے کی بناء میں یہ بات ملحوظ اور داخل ہے کہ سلسلہ نظامیہ کی تدریس و تکمیل اس میں ہوا کرے" منقول از رپورٹ مدرسہ نظامیہ بابتہ سنہ ۱۳۱۵ف و مقاصد الاسلام۔

مولانا فضیلت جنگ کا دعا نامہ پیشگاہ جلالت مآب میں

سنہ ۱۳۲۰ف میں مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ نے پیشگاہ خسروی میں ایک طویل معروضہ پیش فرمایا جس میں مدرسہ نظامیہ کے اغراض و مقاصد کی حفاظت نیز اس کی امداد میں اضافے سے متعلق چند اصولی امور پیش فرمائے تھے اور اس امر کو شدت سے ظاہر فرمایا تھا کہ:۔

حیدرآباد ایک اسلامی سلطنت ہے اور از روئے مردم شماری یہاں کے مسلمانوں کی تعداد گیارہ لاکھ پچیس ہزار سات سو پچاس ثابت ہوئی ہے فرمانروائے سلطنت حیدرآباد کو

تعلیم سے خاص دلچسپی ہے جس کے ظلِ عاطفت میں ہر قوم و ملت کے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کرسچین قوم کی تعداد (۲۲۳۹۶) ہے جو مسلمانوں کے مقابلے میں نصف عشر کی حیثیت ہے لیکن ان کے تعلیمات پر سالانہ اٹھاسی ہزار سے زائد رقم خرچ ہوتی ہے۔

حیدرآباد اسلامی ریاست ہونے کے باوجود یہاں کے اکثر مسلمان رعایا بحالت افلاس ادنیٰ درجے کی ملازمت سے زندگی بسر کرتی ہے وہ اپنی اولاد کی تعلیم کے جملہ مصارف برداشت نہیں کرسکتے اس لیے یہ سب سے زیادہ شاہانہ توجہات عالیہ کے مستحق ہیں یہ یقینی امر ہے کہ دینی تعلیم مسلمانوں کو بیہودہ مشاغل سے روک کر اعلیٰ و پاکیزہ طریق سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرتی ہے پس جس قدر دینی تعلیم بڑھتی جائے گی اس سے نہ صرف مسلمانوں کی حالت کی اصلاح ہوگی بلکہ ان کے پاکیزہ اور شریفانہ طریقہ سے زندگی بسر کرتے ہوئے رعیت ملک امن و امان کے محافظ بن سکیں گے بوجوہ متذکرہ بالا ارکان مجلس انتظامی مدرسہ نظامیہ ۱۱ لاکھ مسلمانان حیدرآباد کی طرف سے نہایت ادب سے اضافہ امداد کی درخواست کرتی ہے اور یہ استدعا پیش کرتی ہے کہ آئندہ مدرسہ نظامیہ میں علوم دینیہ کی تعلیم کے سوا کسی اور زبان کی تعلیم کا اہتمام نہ ہونے پائے اور نہ درس نظامیہ میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے۔"

حکومت کا تصفیہ

چنانچہ اس معروضے کی پیش کشی کے بعد مدرسہ نظامیہ کی امداد ماہانہ دو ہزار کر دی گئی اور یہ طے فرما دیا گیا کہ مدرسہ نظامیہ میں حسب ارشادات صدر درس نظامیہ کی تعلیم ہوا کرے گی۔ اور مدرسہ کا انتظام مولانا مرحوم کی زندگی تک ان کے ذمے رہے گا (فرمان مبارک ۵ر جمادی الثانی [illegible])

منقول از رپورٹ خورشید علی کمیٹی - جریدہ اعلامیہ ۲۰ر بہمن [illegible]ف

آخر میں خورشید علی کمیٹی کی رپورٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس خاص غور و توجہ کا مستحق ہے:-

مدرسہ نظامیہ کو بندگان حضرت اقدس و اعلیٰ کے توجہات شاہانہ اور مراحم خسروانہ سے سرفراز ہونے کا فخر و امتیاز حاصل ہے کیونکہ یہ مدرسہ نہ صرف استاد السلطان حضرت مولانا محمد انوار اللہ خاں مرحوم و مغفور کی ایک مفید ملک و قوم یادگار ہے بلکہ اس ریاست ابد مدت میں ایک ایسا بے نظیر علمی سرچشمہ ہے جس سے ایک عالم سیراب و فیض یاب ہے۔ اور جس سے قدیم عربی اسلامی دینی علوم کی حفاظت و اشاعت کی برکت قائم ہے لہذا اس مدرسہ کی بقا و فلاح ہر بہی خواہ وابستہ دامان دولت آصفیہ کی عین آرزو اور تمنا ہے۔ فقط (مطبوعہ انتظامی پریس)